مکمل ناول

بس شہر کی حدود میں داخل ہی ہوئی تھی کہ چھاجوں چھاج برستے مینہ نے استقبال کیا۔

"بڑی اماں! آپ کی دعائیں بھی کبھی وقت پر پوری نہ ہوئیں۔"

رانیہ نے بے اختیار ماتھے پر ہاتھ مارا' بڑی اماں نے سفید ململ کا دوپٹہ چہرے سے کھسکایا' بھاگتی بس کے شیشے سے باہر جھانکا اور برستی بارش کو دیکھ کر بچوں کی طرح کھلکھلائیں اور فخریہ انداز میں اپنا چھالا لہرا کر بولیں۔

"اب بتا...؟"

راحت جبیں





بھری بس میں سیاہ چھاتا لہرانے کی گنجائش کہاں تھی۔ اس کی نوک سیدھا سامنے والی گردن میں گھس گئی' اس کی دلدوز چیخ پر جو چھاتا کھینچا تو وہ دائیں طرف کھڑے بزرگ کی پسلیاں سینک گیا' وہ بچنے کی کوشش میں اک موٹی تازی خاتون کی گود میں سوار ہو گئے۔

"ہائے۔۔۔ ہائے' چھاتا چا' تے حرکتاں ویکھو۔"

بس میں ہاہا۔۔۔ کار مچ گئی' رانیہ نے بمشکل چھاتا کھینچ کھانچ کر گھٹنوں پر ٹکایا۔ سامنے والے موصوف پلٹ کر گرجے۔

"بڑی بی! اسے سنبھال کر رکھ' ورنہ اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"

"مجھے؟" بڑی اماں کی آنکھیں ابلیں' جواباً قدرے شرافت سے بولا۔

"چھاتے کو۔"

"تو ہاتھ تو لگا کر دکھا' میں تیرے ہاتھ توڑ دوں گی' ٹنڈا ہو کے بھیک مانگتا پھرے گا۔"

رانیہ نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے' یہ ان کا گاؤں نہیں تھا' جہاں لوگ ان کی سخت سست سن کر بھی ہنس دیتے تھے۔

"ہونہہ! بال دیکھ' زنانیوں کی طرح' جی چاہتا ہے ابھی قینچی لے کر گنجا کر دوں۔" انہوں نے کینہ توز نگاہوں سے اس کے کندھوں تک آتے بالوں کو دیکھا اور رانیہ کا خیال کر کے چپ ہو گئیں' وہ بھی شاید بزرگ سمجھ کر لحاظ کر گیا تھا۔ بڑی اماں دوبارہ سے دوپٹہ چہرے پر تان کر اونگھنے لگیں تو رانیہ نے سکون کا سانس لیا۔

طبیعت تو ان کی کئی دنوں سے خراب تھی' مگر ڈاکٹر کے پاس جانے سے اتنا ڈرتی تھیں کہ کسی کو بتایا ہی نہیں' کبھی کالا نمک چاٹ لیا' کبھی پودینہ ڈال کر چائے پی لی۔ بہت ہوا تو حکیم صاحب سے پھکی لا کر پھانک لی' مگر کب تک' اندر ہی اندر مرض بڑھتا گیا' پچھلی دو راتیں سخت تکلیف میں گزریں' کچھ بھی ہضم نہ ہوتا' فوراً" الٹی آنے لگتی۔

"انہیں شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" خود حکیم جی نے مشورہ دیا۔ ابا نے اپنے چچازاد شبیر احمد کو فون کیا جو شہر میں مقیم تھے' انہوں نے فوراً" کہا۔ "بڑی اماں کو صبح ہی شہر بھجوا دو' میں سب دیکھ لوں گا۔"

قرعۂ فال رانیہ کے نام نکلا کہ بڑی اماں اپنی اس پوتی کے بغیر ایک قدم نہ چلتی تھیں۔ دوسرے وہ دو سال پڑھنے کے لیے شہر آتی رہی تھی۔ بڑی اماں نے لاکھ ہاتھ پیر مارے۔۔۔ کہ اب میں ٹھیک ہوں۔۔۔ جوشاندہ پلا دو' پودینہ ابال دو' مگر کسی نے ان کی ایک نہ سنی اور بیگ تیار کر دیا۔

"ہائے اللہ! جو ایک دفعہ شہر کے اسپتال گیا' کبھی زندہ لوٹ کر نہ آیا' دینو کی اماں' رجو کا باپ' یہ' وہ' سب کی میت ہی گاؤں آئی۔"

مگر سب نے کان بند کر لیے' بندوں پر بس نہ چلا تو اللہ کے سامنے گڑگڑائیں۔

"میرے سوہنے رب' بارش ہو جائے' بس خراب ہو جائے' شہر کے سارے اسپتال بند ہو جائیں۔"

ان کی بارش کی دعا قبول ہوئی' مگر دیر سے کہ بس شہر کی حدود میں داخل ہو گئی' گھر سے نکلتے سے وہ اپنا چھاتا بغل میں دبانا نہ بھولیں' رانیہ کے لاکھ واویلا کرنے کے باوجود' بس ایک جھٹکے سے رکی۔

"اماں' چلیں۔"

بڑی اماں سیٹ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئیں' بائیں ہاتھ میں چھاتا پکڑا' پھر دانستہ نوک سامنے والے کے سر میں گھسا دی' رانیہ نے تیزی سے ان کا ہاتھ کھینچا۔

اگلے پل دونوں کے منہ کھل گئے' لمبے بال ان کے چھاتے پر لٹک رہے تھے اور سامنے چٹیل میدان تھا۔ رانیہ نے تیزی سے وگ کھینچ کر سامنے والے کی طرف اچھالی۔ خود جہاں تک ممکن ہوا بڑی اماں کو لے کر تیزی سے نیچے اتری' چاروں طرف موٹر سائیکل رکشوں نے یلغار کر دی' رانیہ نے ایک رکشے پر سامان اور اماں کو لادا' پتا سمجھایا۔

"ٹھیک ہے' پتا تو ہے۔"

"جی!" ادھر رکشہ پھٹپھٹایا' ادھر بڑی اماں کا واویلا شروع ہوگیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ جب رکشہ فرید کالونی کے مطلوبہ ایڈریس پر پہنچا' بارش رک گئی تھی۔

رکشہ رکتے ہی بڑی اماں کا رکا ہوا سانس بحال ہوا' سارا راستہ وہ رانیہ کی گود میں گھسیں تھر تھر کانپتی اور دہائی دیتی آئیں... رانیہ انہیں کسی ننھے بچے کی طرح گود میں بھرے بیٹھی تھی۔

"توبہ' توبہ... میرے باپ کی توبہ... میرے دادے کی توبہ' جو آج کے بعد اس جہنمی سواری میں بیٹھوں' سب کچھ اوپر نیچے ہوگیا۔ لو اب پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا۔ زمین گول گول گھوم رہی ہے' اے رانی! کہیں زلزلہ تو نہیں آگیا توبہ میرے مولا' رحیم!"

رانیہ ایک ہاتھ سے آگے پیچھے ڈولتی اماں کو سنبھالے دوسرے سے پیسے نکال کر رکشے والے کو دے رہی تھی' جوان کی باتوں پر خوامخواہ دانت نکال رہا تھا۔ پھر بیگ اتار کر نیچے رکھا۔

"اس سے زیادہ آرام تو اپنی کھوتا ریڑھی ہے۔ سارا پنڈ گھوم لو ذرا جو دھکا لگے۔"

"تو اماں' پنڈ سے کھوتا ریڑھی پر ہی آجاتیں۔" رکشے والے نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اے... پکڑو... بھاگو... دوڑو۔"

رانیہ نے ہاتھ میں پکڑا بیگ چھوڑا اور لپک کر بڑی اماں کو جپھی ڈال لی... غالب گمان تھا کہ وہ چکرا کر گرنے لگی ہیں۔

"اوئی... نامراد میرا چھاتا۔" ڈرائیور نے تمام تر شور کے باوجود ان کی دہائی سن لی۔

بڑی اماں نے لپک کر چھاتا اٹھایا اور کلیجے سے لگالیا اور انگلی اٹھا کر دھمکی دی۔

"ساتھ لے جاتا تو اگلے جہان تجھ سے وصولتی۔"

رانیہ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے آگے بڑھ کر چاکلیٹی دروازے کے ساتھ لگی نیم پلیٹ کو پڑھا اور بیل پر انگلی رکھ دی اور سر اٹھا کر اس دو منزلہ مکان کا جائزہ لینے لگی' پھر پرانی طرز کا مگر نئے رنگ و روغن کی وجہ سے اچھا لگ رہا تھا۔ گھر کے باہر دو شہتوت کے درخت تھے۔ جن کے نیچے تین لوہے کی کرسیاں دھری تھیں' ساتھ والا دروازہ غالباً" بیٹھک کا تھا کہ ادھ کھلے دروازے سے جھانکتی نیم تاریکی میں قالین اور صوفے دکھائی پڑتے تھے' غالباً' بیٹھک میں کوئی تھا نہیں' ورنہ اب تک باہر آہی جاتا' سڑک کے دونوں اطراف میں تھوڑا تھوڑا بارش کا پانی کھڑا تھا۔ بارش کی وجہ سے موسم خوش گوار ہوگیا۔

بڑی اماں بیٹھنے کے ارادے سے کرسی کی طرف بڑھیں' مگر گیلی دیکھ کر سہارا لے کر کھڑی ہوگئیں۔

رانیہ نے کوفت سے دوبارہ بیل پر انگلی رکھی تو دروازہ کھلنے پر ہی اٹھائی۔ مگر دوسرے پل جی چاہا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے' بڑی اماں نے کمال پھرتی سے چھاتا کھول اس کے سامنے کا منظر غائب کیا' جہاں موصوف منہ میں جھاگوں جھاگ ٹوتھ برش گھسائے محض اک تولیے میں ملبوس تھے۔

"ہائے' ہائے بے شرما! کپڑے نہیں شرماں دی لادیتاں' گھر میں بہن نہیں تو کیا ماں بھی نہیں ہے۔"

بت بنے نبیل کے چھکے چھوٹ گئے' اسفرا بھی ابھی ڈبل روٹی لینے بازار گیا تھا' وہ سمجھا وہی ہوگا' یہ تھوڑی پتا تھا' سامنے دو عدد خواتین کھڑی ہوں گی' وہ اندھے بیل کی طرح ٹکریں مارتا بگٹٹ بھاگا' ایک لمحے کو خدشہ ہوا کہ جو کچھ ہے وہ بھی یہیں رہ جائے گا' مگر غنیمت ہوا کہ کسی نہ کسی طرح باتھ روم تک پہنچ گیا۔ دروازہ تو کھلا ہی تھا' سو دونوں اندر داخل ہوگئیں۔ صحن عبور کر کے برآمدے میں قدم رکھا تو عین سامنے والے کمرے سے تان بلکہ چنگھاڑ اٹھی۔

او گجرا رے... رے... رے...

رانیہ نے بڑی اماں کو دیکھا' وہ احتیاطاً" پوتی کے آگے ہوگئیں' سامنے بنیان اور ہاف پینٹ میں ملبوس قالین پر دراز دونوں ٹانگیں صوفے پر رکھے بڑے انہماک سے ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے واہ واہ کر رہے تھے۔ جہاں بھاری بھرکم موصوف اسٹیج توڑنے

کے درپے تھی۔ تب ہی نگاہ دروازے تک گئی۔ موصوف ہڑبڑا کر اٹھے۔ بوکھلا کر ریموٹ تلاشا جو صوفے کے نیچے سے برآمد ہوا۔ کھٹ سے ٹی وی بند کر کے شرمندگی سے انہیں دیکھا۔

"ذکیہ نے کبھی بتایا نہیں کہ اس کے لڑکے باؤلے ہیں۔ دو کا یہ حال ہے تو تیسرا تو بالکل ہی... ہائے بے چارہ شبیر احمد!" ناک پر انگلی رکھے بڑی اماں کی سرگوشی اتنی بلند تو تھی کہ سامنے والا جی بھر کے شرمندہ ہوتا۔ اس نے تیزی کے ساتھ صوفے پر رکھے رسالے، میگزین سمیٹ کر ایک طرف رکھے۔ "آئیے... بیٹھیے۔"

"تمہاری ماں کہاں ہے؟ شبیر احمد تو کام پر گیا ہوگا۔"

"جی اماں نہا رہی ہیں۔" اس نے غور سے دونوں کو دیکھ کر پہچاننے کی سعی کی مگر ناکامی ہوئی۔

"میں امی کو بلاتا ہوں۔" وہ فوراً کھسک گیا۔

"ایسے برے حال تو نہیں تھے شبیر احمد کے کہ لڑکوں کو ڈھنگ کے کپڑے نہ بنا کر دے سکے۔ ایک تولیے میں گھوم رہا ہے اور دوسرے نے چھوٹے کی پینٹ پہن رکھی تھی، ویسے یہ ذکیہ شروع ہی سے پھوہڑ اور بدسلیقہ تھی لڑکے بھی اسی پر پڑے ہیں۔"

بیٹھتے بیٹھتے نظر میگزین کے ٹائٹل پر پڑی، تو لاحول ولاقوۃ پڑھنے لگیں، ماڈل کی آستین غائب، پیٹ ننگا۔

"ہا... کپڑے پہننے کا تو رواج ہی ختم ہو گیا لڑکیوں کو کیا کہوں، اس مسٹنڈی کو دیکھو۔"

"بڑی اماں! کان کا درد کیسا ہے؟" رانیہ نے قصداً انہیں اس موضوع سے ہٹایا۔

"ہاں بڑا ہی بھلا ڈاکٹر ہے۔ اللہ اسے اجر دے، لڑکے! تمہاری ماں گھر میں ہی نہا رہی ہے۔"

لڑکا ہوتا تو جواب دیتا، پانچ منٹ بعد وہ دو گلاسوں میں ٹھنڈا مشروب لے آیا، اب بنیان کے اوپر سفید شرٹ پہن رکھی تھی، بڑی اماں نے اپنا سوال دہرایا۔

"جی بدقسمتی سے ساہیوال والے ابھی تک سمندر سے محروم ہیں، اس لیے گھر ہی میں نہانا پڑتا ہے۔" بڑی سادگی سے جواب دیا۔ پھر چھتری ایک طرف رکھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو بڑی اماں لپکیں، پھر کچھ سوچ کر کہنے لگیں۔

"ہاں بہت سنبھال کر رکھنا۔"

"کیا بہت خاص ہے؟" اس نے سرگوشی میں دریافت کیا۔

"ہاں کھولیں تو گولی چلتی ہے۔" رانیہ پہلے ہی اس چھاتے سے بے زار تھی۔ اسفر نے گھبرا کر چھاتا چھوڑ دیا، رانیہ منہ پھیر کر مسکراہٹ دبانے لگی۔

"آپ مذاق کر رہی ہیں؟" اس نے مشکوک نگاہوں سے رانیہ کو دیکھا۔

"یقیناً"...

"جو میرے چھاتے کا مذاق اڑایا تو اس کی نوک سے پیٹ میں سوراخ کر دوں گی۔" بڑی اماں نے دھمکی دی۔

"یہ پچھلے جنم میں جھانسی کی رانی رہی ہیں۔"

"وہ کون تھی؟" اماں نے چونک کر پوچھا۔

"آپ کو پتا ہوگا... میں امی کو جگا دوں۔"

"اللہ توبہ۔ تمہاری ماں غسل خانہ میں سوتی ہیں۔"

وہ بنا جواب دیے باہر نکل گیا، بڑی اماں، رانیہ سے پوچھنے لگیں۔

"یہ کس رانی کی بات کر رہا تھا؟"

"اللہ جانے۔" رانیہ کو اپنے بھیگے کپڑوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے بیگ کھول کر اپنے اور بڑی اماں کے کپڑے نکالے۔ جب تک ذکیہ آئیں، وہ دونوں کپڑے بدل کر مشروب پی چکی تھیں، گیلے کپڑے رانیہ صحن میں تار پر ڈال آئی تھی۔

ذکیہ کے کپڑے بدن سے چپک رہے تھے۔ گیلے بالوں کی چھوٹی سی "جوڑی" عین ماتھے پر بنا رکھی تھی۔ لپک کر بڑی اماں کے گلے لگیں، رانیہ کو پیار دیا، فرداً فرداً" سب کا حال احوال دریافت کیا۔ اگرچہ مدتوں

سے آنا جانا نہ تھا' مگر واقفیت تو سب کی تھی۔ پھر بڑی اماں واش روم میں گئیں تو واپس آکر پوچھنے لگیں۔
"وہاں تو کوئی پلنگ نہ تھا۔"
"غسل خانے میں پلنگ؟" ذکیہ ہونق ہوئیں۔
"تمہارا بیٹا بتا رہا تھا کہ تم وہاں سو جاتی ہو۔" کمال معصومیت سے طنز کیا۔ وہ بے چاری شرمندہ ہونے لگیں' تب ہی وہ ہاف پینٹ والا چائے ساتھ مزے دار سے پکوڑے اور دہی کی چٹنی لے آیا۔ پکوڑے گھر کے بنے تھے اور اس نے خود بنائے تھے۔
"ماشاء اللہ بہت ہی سگھڑ ہے' اسی کا آسرا ہے' ورنہ ان گھٹنوں کے درد نے۔"
اسفر اپنی مزید خوبیاں گنوانے لگا۔
"کپڑے دھو لیتا ہوں' کئی قسم کے کھانے بنا لیتا اماں کے سر میں درد ہو تو تیل کی مالش بھی کر دیتا ہوں' میں امی کا بیٹا نہیں' بیٹی ہوں' جس گھر جاؤں گا راج کروں گا۔"
بڑی اماں کی آنکھیں کھل گئیں' منہ سمیت' ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں رانیہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا' وہ سراسر ماں کے اپنے سگھڑ کہنے کا بدلہ لے رہا تھا۔ غصہ نکال رہا تھا۔ اب اگر وہ ماں کے خیال سے تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دیتا تھا تو مہمانوں کے سامنے پول کھولنے کی ضرورت کیا تھی' اس کی مردانگی کو ٹھیس لگی تھی۔
"آپ کو کسی نے کہا ہے کہ آپ ہنستے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔" یہ سراسر رانیہ پر حملہ تھا۔ وہ سٹپٹا گئی' ماں نے ایک ہاتھ کمر پر رسید کیا۔
"ہر وقت کا مخول اچھا نہیں ہوتا۔"
"تو پھر کس وقت کا مخول اچھا ہوتا ہے۔" وہ جل کر پوچھنے لگا۔
"کسی وقت کا نہیں' جاؤ نبیل کو بلاؤ۔ دادی سے مل لے۔" مگر نبیل نے اندر آنے سے صاف انکار کر دیا۔
"دادی نے مجھے انتہائی نازیبا حلیے میں دیکھ لیا ہے' میں اب ان سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا' اکیڈمی جا رہا ہوں۔" اسفر نے اندر آکر بتایا۔
"تو آنکھیں چار نہ کرے' پر سلام تو کرے' ذکیہ! جھوٹ نہ بولوں' تیری اولاد بڑی بے مروت ہے۔ سگی نہ سہی پر دادی تو ہوں۔"
بڑی اماں کو جذباتی ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی' مگر اسفر ان سے بھی زیادہ جذباتی ہو گیا۔
"شربت پلایا' پکوڑے کھلائے' پھر بھی بے مروت' دادی! آپ نے تو دل ہی توڑ دیا۔"
بڑی اماں کو اس کی شوخیاں ایک آنکھ نہ بھائیں' ان کے تیور دیکھ کر رانیہ کو مداخلت کرنا پڑی۔
"بڑی اماں! تھوڑی دیر آرام کر لیں' پھر آپ کو دوا بھی لینا ہے' شام کو اسپتال۔"
"ہاں پہلے کھانا کھا لو' سالن تو بنا لیا ہے' اسفر بھاگ کر بازار سے کباب اور کھیر لے آؤ۔"
"نہ۔ نہ۔ ابھی بھوک نہیں' کھانا شبیر احمد کے ساتھ کھاؤں گی' کب تک آئے گا۔"
"ہاں میں فون کر دیتی ہوں۔ یہ ادھر کمرے میں آجائیں' اسفر سامان اٹھاؤ۔" کمرے میں آکر بڑی اماں نے رانیہ کو ٹھیک ٹھاک بریفنگ دی۔
"لڑکوں والا گھر ہے' اور سب بدتمیز اور واہیات' چھوٹے دو کا یہ حال ہے تو بڑے کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ کسی کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں' جب تک یہاں ہیں' بس کمرے تک رہنا' اور یہ ذکیہ' دیکھا کیسی گھنی اور میسنی ہے' پتا بھی تھا ہم آ رہے ہیں' گھر میں ہانڈی روٹی ابھی نہ کر سکی' بازار سے کباب اور کھیر اور کہا بھی ہمارے سامنے' تاکہ ہم انکار کر دیں' ہونہہ۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں پڑے رہنے کا' کل ڈاکٹر کو دکھا کر واپس چلیں گے' توبہ میں تو اپنے گھر سے دور ایک دن نہ رہ سکوں۔ ہائے پتا نہیں انور نے بکریوں کو پانی بھی پلایا ہو گا یا نہیں۔"
ان کی دماغی رو دوسری طرف بھٹک گئی تھی' رانیہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا' وہ یوں بھی دوسروں کے بارے میں اتنی جلدی رائے قائم نہیں کرتی تھی' ذکیہ خالہ بھی سادہ مزاج اور رست کی خاتون لگیں' جو زمانے میں

ہی گھٹنوں لگاتی تھیں، کباب اور کھیر کیا خاک بنا پاتیں۔



شبیر احمد کھانے کے وقت تک آگئے، دیر تک تائی اماں کے گلے لگے سب کی خیریت دریافت کرتے رہے، انہوں نے غصے سے پرے دھکیلا۔

"اب محبت اُمڈ رہی ہے، مدتوں تائی کی صورت نہ دیکھی، بندہ کبھی عید شب رات پر ہی چکر لگالے، چک 93 اتنی دور بھی نہیں۔"

وہ مصروفیت کا عذر پیش کرنے لگے، لڑکوں نے دسترخوان لگایا، نبیل بھی شامل تھا، وہ شرمندگی اور جھجک اب زائل ہو چکی تھی، دونوں بھائی خوب چہک رہے تھے، مرغی کا سالن بغیر چھلکے کے، کباب خوب مرچیلے اور بریانی مسالے دار، سلاد بھی بازاری وہ جو کبابوں کے ساتھ آئی تھی، چھلکے دار پیاز بڑے بڑے ٹماٹر اور کھیرے کے قتلے، یہ کھانا بڑی اماں کی صحت کے لیے سخت مضر تھا۔ اس لیے رانیہ نے ان کی پلیٹ میں صرف مرغی کا سالن نکالا۔ مگر اس کی لاکھ گھوریوں اور اشاروں کے باوجود بڑی اماں نے کباب بھی لیے، بریانی بھی چکھی کہ مدتوں پرہیزی کھانا کھاتے اوب گئی تھیں، جی بھر کے بدپرہیزی کے بعد مٹی کی پیالیوں میں جمی کھیر نے دل ٹھنڈا کر دیا، کھانا آخری مراحل میں تھا، جب تیمور بھی آگیا، شاندار قد، لباس میں نفاست، اچھی ملازمت کا عطا کردہ اعتماد۔

"یہ میرا سب سے بڑا بیٹا تیمور ہے۔" شبیر احمد نے تعارف کروایا تو بڑی اماں کے منہ سے پھسلا۔

"لگتا تو نہیں۔"

وہ کچھ حیران ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگے۔

"باقی دو کو دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ یہ بھی تمہارا ہی بیٹا ہے۔" بڑی اماں کی توصیفی نگاہیں تیمور کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں، جو ان سے سلام دعا کرنے کے بعد اب کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ رانیہ نے بس ایک ہی نظر ڈالی اور پلیٹ میں پڑی روٹی جلدی جلدی ختم کرنے لگی۔

"ہاں باقیوں کی نسبت یہ کچھ سنجیدہ مزاج ہے قد کاٹھ میں اپنے نانا پر گیا ہے۔" ذکیہ نے سادگی سے وضاحت کی۔

"بڑی اماں! آپ نے ہماری ڈائریکٹ انسلٹ کی ہے۔ جس پر ہم نعرۂ احتجاج بلند کرتے ہیں۔"

"میں نے کیا کر دیا؟" بڑی اماں نے حیرت و معصومیت سے دریافت کیا۔

"اللہ رے معصومیت...!!"

"اسفر! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" تیمور نے نارمل سے انداز میں کہا۔ مگر وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا تھا۔ گویا بڑے بھیا کا خاصا رعب تھا۔ شبیر احمد، تیمور سے اماں کی بیماری ڈسکس کرنے لگے۔ رات ہی فون کر کے ابا نے ان سے تفصیلی بات کی تھی۔

"میرا دوست ہے باسط، اس کے کلینک پر وقت لے لیتا ہوں، اسپتال میں کہاں دھکے کھائیں گی۔ شام کو ویسے ہی اسپتال چھوڑ رہا ہے۔" تیمور کہہ رہا تھا۔

"تو بھئی... اب اس مزے دار کھانے کے بعد ایک کپ گرما گرم چائے ہو جائے، سچ کہتا ہوں اماں! آج آپ کے طفیل ہماری بھی عید ہو گئی ورنہ یہ نبیل بی بی تو ایک آدھ ڈش بنا کر ٹرخا دیتی تھیں۔" شبیر چاچا نے بڑے پیار سے۔

"ہاں اب ساری عمر کی خدمتوں کا یہی صلہ ملے گا، اب نہیں ہوتا اتنا کام تو کیا کروں؟" ذکیہ نے بغیر برا مانے ہنس کر کہا۔

"چائے تو اپنی رانیہ بنائے گی جاؤ رانیہ!"

بڑی اماں کے ٹہوکے پر رانیہ نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ ابھی کمرے میں نجانے کون کون سی پٹیاں پڑھا رہی تھیں، نبیل اور اسفر نے مل کر برتن اٹھائے، دسترخوان سمیٹا، جبکہ ذکیہ کہہ رہی تھیں۔

"کھانا کھا کر سستی سی ہو جاتی ہے، کچھ کچھ کرنے کو

دل ہی نہیں کرتا۔"
رانیہ کو اسفر نے "آپ مہمان ہیں" کہہ کر اٹھنے ہی نہیں دیا اور خود ہی چائے بنا لایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اللہ کرے' کوئی آندھی' طوفان ہی آجائے' شہر کی ساری سڑکیں بند ہوجائیں' گھر سے نکل ہی نہ پاؤں' کہاں سے لگ گئی یہ منحوس بیماری' ہمیشہ تو حکیم کے جوشاندوں' پڑیوں سے ہی آرام آجایا کرتا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل تیمور کا فون آیا تھا۔ "بڑی اماں کو تیار کردیں میں آرہا ہوں۔"

رانیہ نے بڑی اماں کے کپڑے بدلوائے' خود بھی تیار ہوگئی' مگر بڑی اماں تھیں کہ سخت بوکھلائی ہوئیں' جل تو جلال تو کا ورد کررہی تھیں' اوپر سے اسفر کی دل دہلانے والی باتیں

"ارے بڑی اماں! اتنی دعائیں اپنے ٹھیک ہونے کی مانگ لیتیں تو یہ بیماری کب کی جاچکی ہوتی' مگر آپ کو تو شہر کی سیر کا شوق تھا' ڈاکٹر کو دیکھنے کا اشتیاق۔"

"پرے ہو' اللہ کسی دشمن کو بھی ڈاکٹر کا منہ نہ دکھائے۔"

"تو اور کیا۔" وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "یہ لمبی لمبی چھریاں ہوتی ہیں ڈاکٹر کے پاس' بات بعد میں کرتے ہیں' چیر پھاڑ پہلے' اور اگر آپ نے کچھ الٹا سیدھا بول دیا تو جھٹ سے زبان میں ٹیکا ٹھونک دیں گے' ایک ہتھوڑی بھی ہوگی' آپ کے گٹے گوڈوں پر مار۔ مار کر چیک کریں گے کہ کہیں جھوٹ موٹ کی تو بیمار نہیں۔"

"جھوٹ' بکواس' گپ۔" نبیل برابر بیٹھ کر تسلیاں دینے لگا' مگر بڑی اماں روہانسی ہوگئیں۔

"اللہ کی مار ان بدبختوں پر' شبیر! میں نہ جاؤں گی' بھلے یونہی موت آجائے۔" انہوں نے اندر آتے شبیر احمد کو دیکھ کر دہائی دی۔

"اماں! کچھ نہیں ہوگا' رانی اور تیمور آپ کے ساتھ ہیں' کہیں تو میں بھی چلے چلتا ہوں۔"

بڑی اماں نے مایوسی سے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

موسم گرد آلود اور حبس زدہ تھا۔

تب ہی تیمور نے اندر آکر سلام کیا۔ اک طائرانہ نظر رانیہ پر ڈالی اور بڑی اماں سے پوچھنے لگا۔

"بڑی اماں! آپ تیار ہیں۔"

"پانچ منٹ رک جا پتر! آندھی آنے والی ہے۔" انہوں نے بڑی خوشی سے فضا میں پھیلی گرد کی باس سونگھی۔

"نہیں۔ ہم پہنچ جائیں گے۔"

"دو منٹ صبر کرو' شاید آندھی آ ہی جائے۔" انہوں نے اتنی حسرت سے کہا کہ سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی' اسفر قہقہے لگانے لگا۔

"میرا مطلب ہے' پتا تو کرلیتے میرے لال! کیا خبر ڈاکٹر آج چھٹی پر ہو۔" بڑی اماں نے بے چارگی سے سب کو دیکھا' اسفر نے انہیں بازوؤں میں بھر کر گاڑی میں بٹھا دیا۔ پھر شرارتی نگاہوں سے رانیہ کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آپ تو خوب چلی جائیں گی۔"

رانیہ بری طرح جھینپ کر بڑی اماں کے پہلو میں دبک گئی۔

تیمور ڈاکٹر کو بتا چکا تھا کہ بڑی اماں ڈاکٹری علاج سے کس قدر خوف زدہ ہیں۔ وہ تھا تو تیمور کا دوست' مگر اسفر کا سگا بھائی لگتا تھا۔ اس نے پہلے تو دادی کو اپنی دادی کی بلکہ مرحومہ دادی کی باتیں سنائیں' پھر کچھ لطیفے' لطیفوں کے درمیان ہی چیک اپ بھی ہوگیا' رانیہ نے کچھ بتانے کی کوشش بھی کی تو جھڑک دیا۔

"مریضہ آپ ہیں یا یہ؟"

اور آخر میں بضد ہوا۔

"ایسی اچھی دادی ہیں' میں تو نہ جانے دوں گا' اپنے گھر لے جاؤں گا' یہ تیمور تو بالکل گھامڑ ہے' اسے بزرگوں کی کیا قدر؟"

"ہاں۔ شبیر احمد کی ساری اولاد اپنی ماں پر پڑی ہے۔"

بڑی اماں نے انتہائی سادگی سے کہا' رانیہ نے سٹپٹا

کر تیمور کو دیکھا' وہ مسکراہٹ لبوں میں دبائے موبائل کے ساتھ مصروف تھا' ڈاکٹر بڑی اماں کو پسند آگیا تھا' سو وہ خوشی خوشی اگلے دن آنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

رات کے کھانے میں ذکیہ نے مرغ چنے کا سالن اور کسٹرڈ بنایا تھا' شوربے میں دوڑتے چنے' ان کا تعاقب کرتی بوٹیاں' بنا کسی سجاوٹ کے کسٹرڈ' جس میں موٹے موٹے بادام اور کشمش دل کھول کر ڈالی گئی تھیں۔

"ہونہہ! ساری عمر گزر گئی' ذکیہ کو سالن بنانا نہیں آیا۔ مانو تو شوربہ نہیں' گرم پانی میں روٹی ڈبو کر کھائی ہو۔"

حسب عادت اپنے کمرے میں آکر بڑی اماں نے تبصرہ کیا۔ رانیہ خاموش ہی رہی' بڑی اماں کو تو اچھی خاصی چیز پسند نہ آتی تھیں۔ یہاں تو خیر ذکیہ کے ہاتھ میں ذائقہ ہی نہ تھا۔ وہ بڑی اماں کے پیر دبانے لگی' منت کر کے دوا کھلائی' آخر وہ سو گئیں' مگر نئی جگہ کی وجہ سے اسے نیند ہی نہ آرہی تھی۔



"ایک پیالی چائے ہی بنا لے رانی!"

وہ نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔ جب بڑی اماں نے کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر جائے نماز تہہ کی اور باہر آگئی' برآمدے میں کچن کا دروازہ تھا۔ وہ اندر آگئی۔ سنک میں رات والے برتن یونہی پڑے تھے' سنک اور چولہا دونوں ہی گندے۔

"بے چاری ذکیہ خالہ' کوئی بیٹی ہوتی تو..."

اس نے تاسف سے کچن کی حالت دیکھی' کیتلی دھو کر چولہے پر رکھی' فریج سے دودھ کا جگ نکالا' چینی' پتی کی تلاش میں ایک دو کیبنٹ کھولے' دوسرے لمحے اس کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی۔ اور وہ بے نتھے بیل کی طرح رستے میں آئی ہر چیز بشمول اسفر کے ٹکریں مارتی سیدھی بڑی اماں تک پہنچی اور ان کے پہلو میں دبک کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"یہ آپ مارننگ واک کا شوق پورا کر رہی تھیں۔" اسفر کا مسکراتا چہرہ دروازے سے جھانکنے لگا۔

"وہاں کچن میں..." رانیہ نے شرمندہ ہو کر کچھ کہنا چاہا۔

"ہاں۔ آپ نے ہمارے مہمانوں کو ڈرا دیا۔" اسفر نے آنکھیں پھاڑیں۔

"کچن میں مہمان؟" بڑی اماں نے باری باری دونوں کی شکل دیکھی۔

"میں تو صرف ایک کپ چائے بنانے گئی تھی۔" رانیہ کو غصہ آنے لگا۔

"اور سارے کیبنٹ کھول لیے۔"

"پتی نہیں مل رہی تھی۔" رانیہ چڑ گئی۔ "اور مجھے کیا خبر تھی کہ آپ کے کیبنٹ میں چوہے استراحت فرماتے ہیں۔"

"چوہے...؟" بڑی اماں اچھلیں۔

"یہاں نہیں' کچن میں۔" اسفر نے تسلی دی۔

"میں نہیں چائے پیتی' نہ جانے کس کس برتن میں کدکتے پھر رہے ہوں گے۔"

بڑی اماں نے بدک کر کہا تو وہ ہنستا ہوا چلا گیا' تھوڑی دیر میں واپس آیا تو ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں چائے کے دو مگ پڑے تھے' ساتھ میں نمکین اور میٹھے بسکٹ بھی۔

"بالکل نئے نکور ہیں' ابھی ڈبے سے نکال کر دھو کر چائے ڈالی' ڈبے میں چوہوں کا گھسنا ناممکن۔"

"میں چائے نہیں پیتی۔" وہ ایک مگ بڑی اماں کو تھما چکا تھا اور دوسرا اٹھا رہا تھا۔

"میں تو پیتا ہوں۔" اس نے دوسرا کپ منہ کو لگا لیا' رانیہ شرمندہ سی ہو گئی۔ کیا ضرورت تھی اتنی جلدی بول اٹھنے کی۔ اسفر اب ان سے کلینک کی تفصیل پوچھ رہا تھا۔ بڑی اماں خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"بڑا ہی بھلا بچہ تھا' اللہ اسے خوش رکھے' جاتے ہی جوس پلایا' گھر لے جانے کی ضد کر رہا تھا۔"

"بڑی اماں! آپ نہیں جانتیں' تیمور بھائی کو ابھی تو جان بوجھ کر آپ کو جعلی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔"

تاکہ آپ وہاں جاکر شور، واویلا نہ کریں، اگلی بار دیکھیے گا، سچ مچ کے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گے۔ وہ اتنا میٹھا، پیارا ہوا تو میرا نام بدل دیجیے گا۔" اسفر نے ڈرانا چاہا، مگر بڑی اماں لاپروائی سے چائے پیتی رہیں۔

"دیکھ لیے سب ڈاکٹر، اب نہیں تمہاری باتوں میں آنے والی، اور تیمور، وہ تم تینوں میں سب سے بھلا بچہ ہے۔"

"دلیں۔" اسفر نے بھنا کر کپ پٹخا۔ "صبح سویرے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلانا بھی بے کار گیا۔"

بچوں کی طرح روٹھ کر باہر نکل گیا، بڑی اماں ہکا بکا رہ گئیں۔

"میں نے اسے کیا کہا؟"

رانیہ مسکرا کر خاموش ہو رہی، تب ہی ذکیہ اندر آئیں، چائے کے برتنوں پر نظر پڑی تو کچھ شرمندہ ہو گئیں۔

"میں ناشتے کا ہی پوچھنے آرہی تھی۔"

"ہمیں بہت تڑکے ناشتے کی عادت ہے۔" بڑی اماں نے جتایا۔

"ہائے کیا کروں، نماز پڑھ کر لیٹی تو اٹھا ہی نہیں گیا، اب بھی طبیعت میں سستی سی ہے، ایک کپ چائے مل جائے تو..." رانیہ ان کا مطلب سمجھ گئی اور سمجھ تو بڑی اماں بھی اچھی طرح گئی تھیں۔ تب ہی جھٹ سے بولیں۔

"تمہارا منجھلا بنا کر لایا تھا۔ رانیہ کو تو چوہوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔" ذرا سا چوہا اب چوہوں میں بدل گیا تھا۔ ذکیہ کا منہ کھل گیا، پھر ہنسنے لگیں۔

"ہاں! ایک کم بخت ہے تو سہی، اسفر، نبیل سے کئی بار کہا، اسے مار دو، یا چوہوں کی دوا لادو، پر سنتے کہاں ہیں۔"

"میں بنا لاتی ہوں۔" رانیہ نے کہا، مگر بڑی اماں کی کہنی دن میں تارے دکھا گئی۔

"کیا ہوا؟" ذکیہ کہنی تو نہ دیکھ سکیں، مگر منہ کے زاویے ضرور دیکھ لیے۔

"کچھ نہیں۔ اس کے پیٹ میں درد ہے، رات بازار کا کھانا موافق نہیں آیا۔"

بھلا بڑی اماں کسی کو بخشتی تھیں، لگے ہاتھوں بازار کا کھانا بھی گنوا دیا، رانیہ کا دل چاہا سر پیٹ لے۔ ذکیہ اٹھ گئیں۔ اوپر سے ناشتہ بھی بازار سے آیا اور بڑی اماں نے خوب ڈٹ کر کھایا۔

"یہ شبیر احمد تو بہت تڑکے جاتا ہو گا۔ اس کا ناشتہ کون بناتا ہے۔"

"کبھی اسفر بنا دیتا ہے۔ کبھی..." ذکیہ ایک لمحے کو ٹھٹکیں۔ "کبھی میں..."

"اللہ کی شان۔ پچھلے دس سالوں سے میں نے تو کوئی ایسا دن نہیں دیکھا۔" نبیل بڑبڑایا۔ ذکیہ کا دھموکا اس کی کمر پر پڑا۔

"بدتمیز ماں کا مذاق اڑاتے ہو۔ اب میں چلنے جوگی نہیں رہی۔ بھول گئے تم دونوں کو کان سے پکڑ کر پچھواڑے والے اسکول میں چھوڑنے جاتی تھی۔"

"امی! مہمانوں کا تو لحاظ کریں۔" نبیل بدبدایا۔ وہ اچھا خاصا کم گو اور شرمیلا سا لڑکا تھا۔

"تم نے کیا تھا ماں کا لحاظ۔"

"السلام علیکم!"

بڑی اماں کے ساتھ ساتھ پوری کے چھوٹے چھوٹے نوالے بناتی رانیہ نے سر اٹھا کر دیکھا پھر تیزی سے سر جھکا لیا۔ کالی پینٹ پر سفید لائنوں والی شرٹ، چمکتے جوتے، سلیقے سے جمے بال، خوشبوؤں کا استعمال، ایک معطر سی خوشبو چہار سو سرسرانے لگی۔

اسے دیکھ کر رانیہ کے ذہن میں ایک ہی لفظ آتا۔ "نفیس" اس کے بولنے، چلنے، لباس ہر چیز سے نفاست جھلکتی تھی۔ شاید وہ اس لیے بھی نمایاں لگتا تھا کہ اس کے برعکس اسفر اور نبیل اول جلول سے حلیے میں رہتے تھے۔

بڑی اماں کی آنکھوں میں ابھی پسندیدگی کی جھلک تھی۔

"میں بارہ بجے تک آؤں گا۔ بڑی اماں! آپ تیار رہیے گا۔ کچھ ٹیسٹ کروانے ہیں۔"

تیمور نے انڈا اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے ہوئے

کہا۔بارہ بجے تک رانیہ بڑی اماں کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی تیار ہوگئی۔بارہ بجے تیمور آیا تو صرف بڑی اماں کو ساتھ لے کر چلا گیا۔بڑی اماں کو رانیہ کے بغیر کہیں بھی جانے کی عادت نہ تھی۔ سو تھوڑا سٹپٹائی ہوئی تھیں۔ مگر تیمور نے آرام سے کہہ دیا۔

"امی چلی جائیں گی۔ان کا بھی چیک اپ ہونا ہے۔ رانیہ گھر پر رہے۔"

موسم بھی گرد آلود تھا۔

"اور بڑی اماں اس موسم سے کتنا گھبراتی ہیں۔"

اس نے برآمدے کے سرے پر کھڑے ہو کر سوچا۔ اندر جانے کو جی ہی نہیں چاہا۔ سو کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔

چند لمحے بیتے۔

"کپڑے اتار لو۔ آندھی آنے والی ہے۔" ہمسائے میں کسی نے نجانے کس کو آواز دی۔

رانیہ نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔ پھر دھک سے رہ گئی۔

گرد کا طوفان عین اس کے سر پر آچکا تھا۔

ہوا میں تیزی۔

آسمان کی سرمئی رنگت۔ زردی مائل سرخ۔

خشک مٹی کی باس سانسوں کو الجھا الجھا گئی۔

"اوئی ماں..." وہ بگٹٹ بھاگی اور دھاڑ دھاڑ سارے دروازے بند کرنے لگی۔

ڈرائنگ روم کی ساری کھڑکیاں... باورچی خانے کے کھلے کیبنٹ، الماریاں۔

وہ بھاگ بھاگم سب جگہ کی کنڈیاں چڑھاتی رہی۔

اسفر اسٹڈی روم میں تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔ یہ کمرہ لڑکوں نے اپنے پڑھنے لکھنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ جہاں کتابوں کے انبار کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر بھی موجود تھا... اسفر باہر کے موسم سے بے نیاز کمپیوٹر میں مگن تھا۔ اسے اوپر دیکھ کر گڑبڑا سا گیا۔

"کیا ہوا؟" رانیہ کے چہرے پر تشویش کے گہرے بادل چھائے تھے۔

"طوفان آگیا... اور بڑی اماں... وہ اس موسم سے بہت گھبراتی ہیں۔"

اسفر نے کھڑکی کا پردہ کھسکایا۔

شیشے کے اس پار سارا منظر دھندلایا ہوا تھا۔

"پریشان کیوں ہوتی ہیں؟ یہ طوفان ان کی گاڑی اٹھا کر زیادہ دور نہیں لے جائے گا۔"

اسفر نے دانستہ مذاق کیا۔ ساتھ ہی موبائل اٹھا کر تیمور کا نمبر ملایا۔

"ہاں... ہاں خیریت سے ہیں۔ ہسپتال پہنچے تب آندھی آئی تھی۔ بالکل سکون اور حفاظت سے ہیں۔" تیمور نے تسلی دینے کے بعد بڑی اماں سے بھی بات کروائی۔ وہ اپنی پریشانی میں تھیں۔

"کیسی بے عقل ہے... مجھے چھاتا نہیں دیا۔ اب اگر بارش آگئی تو..."

رانیہ کی تسلی ہوگئی۔ بڑی اماں خوف زدہ نہیں تھیں۔ اسفر کا خیال تھا اب وہ چلی جائے گی۔ مگر وہ یونہی ادھر ادھر دیکھتی رہی... پھر کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"چھوٹے بھیا! میں ادھر ہی بیٹھ جاؤں۔؟"

"ہائے... اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا! آپ جیسی حسین دوشیزہ سامنے بیٹھ گئی تو مجھ جیسا نوجوان... آہم... خوبرو نوجوان۔ کتاب کمپیوٹر میں کیسے دل لگائے گا۔"

رانیہ اس کی بات پر دل کھول کر ہنسی۔

"ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے بھیا! جو مجھے ایسی باتوں سے ڈراتے ہیں۔ دھیان سے اپنے کام پر توجہ دیں۔ دوسری چیزوں میں دل لگانے کو اک عمر پڑی ہے۔"

"ہائیں۔" اسفر نے حیرت سے اس کا جواب سنا۔ پھر غیر ارادی طور پر پوچھنے لگا۔ "کتنا پڑھا ہے آپ نے۔؟"

"الف۔ اے کیا ہے؟" وہ خود ہی ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"گاؤں میں کالج ہے؟"

"نہیں۔۔۔ دو سال شہر آتی رہی۔"

"ہر روز۔"

"ہوں۔۔۔ ویگن کا اسٹاپ ہمارے کالج سے زیادہ دور نہ تھا۔" وہ بہت سادگی اور اعتماد سے جواب دے رہی تھی۔

"بی اے کیوں نہیں کیا؟"

"بس، پڑھائی میں دل نہیں لگا۔۔۔"

اس نے یونہی ایک کتاب کھول کر ورق گردانی شروع کردی۔ وہ بھی خاموشی سے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آندھی کا زور ٹوٹ گیا تو وہ نیچے چلی آئی۔ ہر شے دھول مٹی سے اٹی ہوئی۔۔۔ اب فارغ بیٹھ کر بھی کیا کرتی۔ بالٹیاں بھر بھر کر صحن اور برآمدے میں پانی بہانے لگی۔۔۔ گھنٹے بھر میں اندر باہر سے دھول کا نام و نشان بھی غائب تھا۔۔۔ اسفر نیچے آیا تو متحیر سا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ ان کے ہاں شام کو آئی آندھی اگلے دن ملازمہ ہی آکر نکالتی تھی۔ صاف ستھرا، دھلا دھلایا گھر اور کرنے والی چراغ کے جن کی طرف غائب۔۔۔

"ایک عدد جیتی جاگتی لڑکی کا وجود اس گھر کے لیے کس قدر ضروری ہے۔"

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" نبیل ابھی ابھی آیا تھا۔ اسے بت بنا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کاش! تو اس گھر کی لڑکی ہوتا۔" اسفر نے حسرت سے آہ بھری۔ نبیل بدک کر پیچھے ہٹا۔

"لاحول ولا۔" وہ لڑنے مرنے پر اتر آیا۔

"کاش! تیری جگہ ایک عدد بہن پیدا ہوجاتی۔"

"میری جگہ کیوں، تیری جگہ کیوں نہیں۔" اس نے بازو چڑھا لیے تھے۔



شبیر احمد نے بڑی اماں کو واپس ہی نہیں جانے دیا۔ کہاں تو وہ ایک دن بھی رکنے کو تیار نہ تھیں۔ اب آرام سے بیٹھ گئیں۔ پھر رانیہ کے واپس جانے کا کیا سوال؟ مگر وہ خوش نہ تھی۔ یوں ہاتھ پیر توڑے کسی کے گھر بیٹھ رہنا اسے پسند نہ تھا۔ مگر بڑی اماں اسے بغل میں دبوچے رکھتیں۔

آخر لڑکوں والا گھر تھا۔

مگر کب تک۔ اس دن ذکیہ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ تیمور نے شائستگی سے درخواست کی کہ ناشتہ وہ بنا دے۔۔۔ وہ بڑی اماں کے کچھ بھی کہنے سے پہلے کچن میں پہنچ گئی۔ باورچی خانہ کا دروازہ غالباً" رات ہی سے بند تھا۔ کھلتے ہی ناگواری سی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔

"اونہوں۔" ناک سکوڑتے ہوئے اس نے جائزہ لیا۔۔۔ گندے سندے برتنوں کی بھرمار تھی۔ سنک بھی بھرا ہوا۔۔۔ اور سارے کے سارے کاؤنٹر بھی۔۔۔ حتی کہ چھوٹی سی ٹیبل پر بھی اگر کسی نے کھانا کھایا تھا تو برتن جوں کے توں دھرے تھے۔ کچرے سے ابلتی ڈسٹ بن اور برتنوں میں بچے کھچے کھانے کی مہک نے اس کا جی متلا گیا۔ پہلے کچرے کی ٹوکری اٹھا کر باہر والے دروازے کے پاس رکھی۔ پھر سلیب پر دھرے فالتو برتن ہٹا کر اپنے لیے جگہ بنائی۔

"کمال ہے اتنے افراد تو نہیں ہیں گھر میں۔۔۔ ہاتھ کے ہاتھ برتن دھولیا کریں تو اتنا بکھراوا تو نہ ہو۔۔۔ لگتا ہے پہلا برتن دھونے کے بجائے نیا استعمال کرتی ہیں۔"

وہ زیر لب بڑبڑائی۔ پھر خیال آیا یقیناً "یہ کام لڑکے کرتے ہیں۔۔۔ پکایا، کھایا اور کچن سے باہر۔ اس نے فریج سے آٹا نکالا۔۔۔ آٹا اتنا سخت کہ بمشکل ہی پیڑا بنا پائی۔

"یا اللہ! یہاں کام کرنا کتنا مشکل ہے۔"

اس نے پہلے گھر کے افراد گن کر پراٹھے کے پیڑے بنا کر رکھ دیے۔۔۔ پھر آملیٹ کی تیاری کی۔ سالن گرم کیا، سالن سے دو بوٹیاں نکال کر ریشہ ریشہ کرکے آملیٹ میں مکس کیا۔ ہری مرچیں، ٹماٹر اور باریک دھنیا کاٹ کر ملایا پہلے ٹیبل صاف کی۔ اس کے بعد پراٹھے بنانے شروع کیے۔ پیڑے اب کچھ نرم پڑ گئے تھے۔۔۔ اس لیے خوش رنگ و خستہ پراٹھے تے

گئے۔

"ارے اتنا اہتمام۔" جب تک شبیر احمد آئے۔ وہ ٹیبل پر آملیٹ' سالن' سادہ دہی۔۔۔ اچار رکھنے کے بعد اب چنگیر میں پراٹھے رکھ رہی تھی۔

"چاچا جی! یہ زیادہ اہتمام تو نہیں۔" وہ کچھ جھینپ گئی۔ نجانے وہ لوگ کیسا ناشتہ کرتے تھے۔ اس نے چاہا کہ پہلے ذکیہ چچی سے پوچھ لے۔ مگر وہاں دروازہ بند تھا تیمور سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ سو خود ہی بنالیا۔

"ارے بچے! ہم تو چائے میں پاپے ڈبو کر۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ارے بھئی تیمور! آجاؤ ایسا مزے دار اور گرما گرم تیار شدہ ناشتہ بڑے عرصے بعد نصیب ہوا ہے۔ اسفر' نبیل اٹھ جاؤ۔۔۔ ورنہ اس نعمت سے محروم رہ جاؤ گے۔"

انہوں نے ایسا شور کیا کہ ذکیہ ہائے ہائے کرتی اپنے کمرے سے برآمد ہوئیں۔

"میں نے کہا نیک بخت۔۔۔! جب تک ہماری بیٹی یہاں ہے' ہم تو اسی کے ہاتھ کا ناشتہ کریں گے۔۔۔ سنہری آملیٹ۔۔۔ خستہ پراٹھے۔"

رانیہ مسکراہٹ دباتی چائے دم کرنے لگی۔۔۔ پھر بڑی اماں کے لیے ناشتہ ٹرے میں لگایا۔ تیمور بھی آفس کے لیے تیار ہو کر وہیں آگیا۔۔۔ اک خوشگوار سی خوشبو' ناشتے کی خوشبو پر حاوی ہونے لگی۔۔۔ ذکیہ نے بھی پلیٹ اپنے سامنے کھسکائی۔۔۔ نبیل کو بھی آواز دی۔۔۔ رانیہ اپنا اور بڑی اماں کا ناشتہ کمرے میں رکھنے آئی تو وہ نروٹھے پن سے بولیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں پہلے وہاں سب کو ٹھنسالو۔۔۔ میرا کیا ہے' چاہے بھوکی مروں۔"

"اماں! پہلے آپ کے لیے لائی ہوں۔۔۔ میں چائے لے آؤں۔"

"سن! لڑکے بھی اِدھر ہی ہیں۔" انہوں نے رازداری سے پوچھا۔

"جی' چاچا اور چاچی بھی۔"

"اچھا۔۔۔" انہوں نے کچھ لمحے غور کیا۔ پھر اثبات میں سرہلا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئیں رانیہ نے واپس جا کر سب کے لیے چائے نکالی۔

"ہک ہا۔ کبھی میں بھی ایسے ہی پراٹھے بناتی تھی۔" ذکیہ نے آہ بھری۔

"تو اب کیا ہوا؟ درد گھٹنوں میں ہے ہاتھوں میں تو نہیں۔"

وہ انہیں نوک جھونک کرتا دیکھ کر چائے لے کر بڑی اماں کے پاس آگئی۔ ناشتہ کر کے واپس آئی تو افراد خانہ غائب اور برتن جوں کے توں۔۔۔ بچا ہوا دہی فریج میں اسفر کا ناشتہ ہاٹ پاٹ میں' خود برتن دھونے لگی کہ نوکرانی کو گیارہ بجے تک آنا تھا۔ اسے بے اختیار اپنا چھوٹا سا کچن یاد آیا۔ مجال نہیں کہ کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل جائے۔۔۔ برتن' سبزیوں کی ٹوکریاں حتیٰ کہ ماچس رکھنے کی باقاعدہ جگہ مقرر تھی۔ چینی' پتی' چولہے سے انتہائی قریب اور اتنی نمایاں جگہ پر رکھے جاتے کہ باہر سے بھی کوئی آتا تو آسانی سے چائے بنا سکتا تھا۔ برتن دھو کر کپڑے سے سارے سلیب صاف کیے اور بڑی اماں کے پاس آگئی۔ اس تمام عرصے میں اس نے وہ کیبنٹ کھولنے کی کوشش بالکل نہیں کی۔ جو پہلے دن کھولا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسفر کے مہمان ڈسٹرب ہوں۔



واشنگ مشین کی گھوں گھوں بہت تیز تھی۔ گویا صحن میں جہاز اتر رہا ہو۔۔۔ پہلی بار رانیہ نے ڈر کر بند ہی کر دی پھر اسفر نے تسلی دی۔

"یہ اڑے گی نہیں۔"

پردے' چادریں' تولیے' کور' بیڈ شیٹس۔۔۔ اسفر نے سب ڈھیر کر دیں۔ بڑی اماں' زیر لب بڑبڑاتی رہیں۔ "مفت کی نوکرانی ہاتھ لگ گئی ہے۔" مگر رانیہ کو مزا آرہا تھا۔ گاؤں میں یہ سب ہاتھ سے دھونا پڑتا تھا۔ واشنگ مشین تو تھی۔ مگر خراب ہوئی تو ٹھیک کروانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ کبھی "وہ نئی مشین لے لیں" کا مشورہ دیتی تو بڑی اماں فوراً "اڑنگا" ڈال کر اس کی خواہش کو منہ کے بل گرا دیتیں۔

"تیرے جہیز میں دوں گی۔"

یا۔

"بہو جہیز میں لے ہی آئے گی۔"

"ہاں - اسی آس میں میرے ہاتھ گھساتے رہیں۔" رانیہ لاکھ تلملاتی ...... ہونا تو وہی تھا۔ جو بڑی اماں چاہتیں۔ سب سے زیادہ مزا ہوائی جہاز کے ساتھ آرہا تھا۔ ادھر کپڑے ڈالو۔ ادھر سوکھے سوکھے باہر۔ ملازمہ کو پنکھوں کی صفائی پر لگا رکھا تھا۔ جو کالے بھجنگ ہو کر شکل بدل گئے تھے۔ فرشوں کی دھلائی۔ دیواروں کی جھڑائی۔ پنکھوں کی صفائی۔ غرض کون سا کام تھا جو رہ گیا ہو۔ کراکری ساری کی ساری نکال کر صاف کی گئی۔ نجانے کتنے زمانوں کے بعد بے چاروں کی اصل شکل دکھائی دی۔ کھانا چچی نے بنایا۔ بس سادہ سے دال چاول۔ خیال تھا اہتمام شام کو مہمانوں کی آمد پر ہو جائے گا۔ ان کے کھانا بنانے تک رانیہ بھی فارغ ہو گئی۔ ملازمہ تو تھی ہی۔ اسفر نے پورا ساتھ دیا۔ پردے لٹکانے' بیڈ شیٹ بدلنے۔ سٹنگ کرنے میں۔ گھر کی شکل نکل آئی۔ نکھرا' ستھرا' جگمگاتا ہوا۔ نبیل کالج سے آیا تو ہکا بکا رہ گیا۔

"ہمارے ہاں تو عید پر بھی گھر کی یہ شکل نہیں دکھتی۔ آپی! تم نے کون سی چھڑی گھمائی۔" وہ بازو اٹھائے چہار اطراف گھوم لیتا اور شاباش' شاباش کہتا جاتا۔

رانیہ مسکراتی اپنے کام میں لگی رہی۔ بڑی اماں کو اس کی شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھائیں' تب ہی تڑخ کر بولیں۔

"ہاں..... گھر تو عورت کے سلیقے سے بنتا ہے..... اب بغیر ہاتھ پیر ہلائے بغیر تو گھر صاف ہونے سے رہا۔"

رانیہ نے شکر کیا ذکیہ ---- چچی وہاں نہ تھیں۔

جس وقت تیمور واپس آیا ---- وہ کچن کے برتن واپس الماریوں میں لگا رہی تھی اور حلیہ بتاتا تھا کہ سارا کمال اسی لڑکی کا ہے' ہر چیز جگمگاتی' صاف ستھری' گھر کتنا کشادہ اور کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔ فرش ٹھنڈے اور بے حد سرخ۔ وہ ننگے پاؤں ایک سے دوسرے کمرے میں پھرتے رہے۔ پھر کچن کے دروازے میں آکھڑے ہوئے۔ وہ ان کی طرف پشت کیے اپنے کام میں مگن تھی۔ دوپٹہ اب بھی سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا۔ دبلی پتلی' دھان پان سی لڑکی۔ انہیں بے حد اچھی اور اپنی اپنی سی لگی۔ تب ہی عقب سے اسفر آکر کھنکارا۔ تیمور کے ساتھ ساتھ رانیہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

"کس سوچ میں ہو بھائی ؟" اسفر کے لبوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ دیکھ کر وہ خجل سا ہو گیا۔

"میں اپنے چپل ڈھونڈ رہا تھا۔"

"کچن میں ....." اسفر نے بھنوئیں اچکائیں تو وہ اسے گھورتا باہر نکل گیا۔ جہاں نبیل اس کے چپل لیے آرہا تھا۔

"دراصل وہ اس پری کو دیکھنے آئے تھے۔ جس نے چھڑی گھما کر سارے گھر کا نقشہ بدل دیا۔" رانیہ جھینپ کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔



رفیعہ خالہ کو دیکھ کر رانیہ کو یقین ہو گیا۔ کاہلی اور سستی ذکیہ چچی کے خاندان کا اضافی وصف ہے ---- وہ ذکیہ چچی کی بہن تھیں ..... اور اتنی موٹی کہ جہاں بیٹھ جاتیں۔ وہاں سے اٹھنا محال ہو جاتا.....

"ہونہہ' ڈھائی من کی دھوبن۔" بڑی اماں استہزائیہ انداز میں بڑبڑاتیں ..... ان کی لڑکی نبیلہ بھی فربہی مائل تھی۔ مگر قد لمبا ہونے کی وجہ سے بھدی نہ لگتی۔ چھوٹی آنکھیں۔ صاف رنگت' خوبصورت کٹاؤ والے ہونٹ۔ بے حد سیاہ بالوں کی موٹی سی چوٹی' جو کمر کے درمیان تک آتی۔ دیکھنے میں اچھی لگتی۔ اس نے سب سے پہلا اعتراض کھانے پر کیا۔

"یہ کیا خالہ' کھانا گھر پر بنایا ہے۔"

رانیہ نے دسترخوان پر نظر دوڑائی۔ مٹن قورمہ' چکن بریانی' کباب' سلاد' رائتہ' چٹنیاں' میٹھے میں ڈھیر سارے میووں والی کھیر..... لذت' کام و دہن کے تمام ہی لوازم موجود تھے..... پھر اعتراض کس پر تھا.....؟ گھر پہ بنانے پر۔

"کھانا امی نے نہیں رانیہ آپی نے بنایا ہے۔ کھا کر دیکھیں، انگلیاں چاٹتی رہ جائیں گی۔" نبیل بول اٹھا۔ جبکہ اسفر نے رانیہ کو تسلی دی۔
"دراصل نبیلہ دو ہی کاموں کے لیے آتی ہے۔ ایک تو سارا سال بنائے گئے کپڑے ساہیوال والوں کو دکھانے کے لیے۔"
"کیوں ساہیوال والوں نے کبھی نئے کپڑے نہیں دیکھے...۔ یا خانیوال میں زیادہ عجوبہ کپڑے ہیں۔ اے بچی۔! ذرا مجھے بھی دکھانا۔" بڑی اماں کسی کو شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ نبیلہ نے اسفر کو بری طرح گھورا۔
"اور دوسرا؟" رانیہ نے دریافت کیا۔
"یہاں کے ہوٹلز کے کھانے چیک کرنے...۔ شکر ہے ہم لاہور یا کراچی جیسے شہر میں نہیں رہتے۔"
"ہاں، تم تو جیسے بہت کھلاتے ہو۔ پچھلی بار بھی شوارما نہیں کھلایا۔ بیسنی نان پر ٹرخا دیا تھا۔" نبیلہ نے منہ بنایا۔
"ہائیں! تم نے ابھی تک شوارما نہیں کھایا۔ کیا خانیوال میں نہیں ملتا۔"
"وہاں کیا نہیں ملتا۔ ہاں ہم جس بھرے پرے گھر میں رہتے ہیں۔ وہاں ایسی عیاشیوں کا تصور کہاں؟ کہیں جانا ہو۔ پورے ٹبر کو ساتھ لے کر جانا پڑتا ہے۔" رفیعہ خالہ بریانی کی پلیٹ پر قورمے اور کباب کا ڈھیر لگا رہی تھیں۔
"خالہ! پیسا کا یہ مینار ڈھیر ہو جائے گا۔ ایک پلیٹ اور ساتھ رکھ لیں۔" اسفر سے رہا نہ گیا۔
"امی! یہ آپ کا مذاق اڑا رہا ہے۔" نبیلہ نے خبردار کیا۔
"یہ شروع ہی سے بہت مخولیا ہے۔ میں نے کبھی اس کی باتوں کا برا نہیں مانا۔"
"ہاں کھانے پینے کے معاملات میں۔" وہ بڑبڑایا۔
"یہ اجو کہاں رہ گیا۔ کھانا کھا لے۔" ذکیہ چچی کو بھائی کی یاد ستائی۔
"اجو ماموں، پانی کا نل لیک کر رہا تھا۔ وہی کس رہے ہیں۔"
"اے... یوں... آتے ہی شروع ہو گیا۔" بڑی اماں نے حیرت سے پوچھا۔
"بس عادت پڑی ہے... پانچ سال وہاں دوبئی میں مکینک کا کام کیا۔ واپس آ کر دو دکانیں خرید کر کرائے پر چڑھائیں۔ خود تیرے میرے گھر میں شوق پورا کر لیتا ہے۔"
"تو دکان کھول کر بیٹھ جائے۔"
"بس من موجی ہے۔"
"تو شادی کیوں نہ کی؟"
"مانا ہی نہیں۔"
"تو عمر یونہی رول دے گا۔"
"اس کی مرضی۔ ہم بہنوں کے ارمان تو دل میں ہی رہ گئے۔" ان کے ارمان لہجے سے چھلک رہے تھے۔ بے حد سرسری اور لاپروا لہجہ۔
"جاؤ، اجو بھیا کو بلا لاؤ۔ کھانا تو کھا لے۔" ذکیہ چچی نے اسفر سے کہا۔
اجو بھیا آ گئے۔
کالی ڈھیلی سی پینٹ، سرخ ٹی شرٹ، جس میں توند نمایاں ہو رہی تھی۔ سانولی مائل گندمی رنگت۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ سر غالباً گنج تھا۔ جب ہی ٹوپی مستقل سر پر براجمان تھیں۔ عمر اڑتالیس پچاس کے قریب۔
"سلام بڑی اماں!" وہ جھکے بڑی اماں نے سر پر پیار دیا اور بہ نظر غائر جائزہ لیا۔
"اب تو تم بھی بڑے آبا لگ رہے ہو۔ بہت پہلے دیکھا تھا۔ تب لڑکے سے تھے۔"
وہ جھینپ کر کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ کھانے کے بعد رانیہ نے برتن سمیٹنے شروع کیے تو اسفر اور نبیل ساتھ دینے لگے... نبیلہ ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔
رانیہ نے بچے ہوئے کھانے فریج میں محفوظ کیے۔ پلیٹوں میں سے ہڈیاں... بچے ہوئے چاول۔ روٹی کے ٹکڑے ایک شاپر میں نکالے۔
"ان کا کیا کریں گی۔ ڈسٹ بن میں ڈالیں گی؟"

نبیل نے کہا۔ تو اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔
"رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ تمہارے محلے میں کتے بلیاں نہیں ہوتے۔"
"گھر کے پچھواڑے کھلا میدان ہے۔ وہاں بہت۔"
"نہیں ڈال دینا۔ ثواب ملے گا۔" رانیہ نے چولہے پر چائے کا پانی چڑھایا۔ خود برتن دھونے لگی۔ نبیل چائے کے لیے کپ نکالنے لگا۔
"رہنے دو۔ میں کرلوں گی۔"
"آپ برتن دھولیں۔ میں چائے دیکھ لوں گا۔ پہلے ہی آپ سارا دن تھکی ہیں۔"
نبیل نے فکر مندی سے کہا تو وہ مسکرا دی۔ نبیل نے چائے بنا کر پیالیوں میں نکالی اور ٹرے میں رکھ کر لے گیا۔ اس نے سارے برتن دھو کر خشک کیے۔ شیلف میں لگا کر سلیب صاف کر رہی تھی، جب تیمور آگیا۔
"کچھ چاہیے تیمور بھائی؟"
"ہاں۔ کافی۔"
"اوہ۔ !مجھے بنانی تو نہیں آتی۔ اگر آپ بتا دیں تو..."
تیمور نے اک نگاہ اس کے شرمندہ چہرے پر ڈالی پھر کیبنٹ کھول کر سامان۔
"کوئی بات نہیں، میں بنا لوں گا۔"
وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ سو ہاتھ صاف کرتی باہر نکلنے لگی پھر تیمور کی آواز پر رک گئی۔
"رانیہ! بہت بہت شکریہ۔ آج تم نے گھر کو گھر بنا دیا۔"
"تیمور بھائی! میں نے تو بس..." وہ جھینپ سی گئی۔ کیا خبر تھی اس کے ذرا سے ہاتھ پیر ہلانے سے سب یوں خوش ہو جائیں گے۔ اسے تو یہاں کام کرنا ذرا بھی مشکل نہ لگا۔ گاؤں میں اب تک وہ لوگ لکڑیاں جلاتے تھے۔ یہاں تو آدھی رات کو بھی یہ بٹن گھماؤ۔ ایک دیا سلائی جلاؤ تو چولہا گرم۔ جھٹ پٹ چائے، کھانا، تیار۔ برسات کے دنوں میں سیلی لکڑیوں کو جلانا کیسا وقت طلب کام تھا۔ ابا رات کو دیر سے زمینوں سے لوٹتے۔ وہ ادھ جلے اپلے راکھ میں دباتی۔ تاکہ ابا کے آنے تک چولہے میں چنگاری رہے اور وہ کھانا گرم کر سکے۔"
"کیا سوچنے لگیں۔ کوئی ہمارے لیے اچھا کرے تو اس کا شکریہ تو ادا کرنا چاہیے۔" وہ مگ میں کافی پھینٹ رہا تھا۔
رانیہ نے ذرا سی نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور بے ارادہ بولی۔
"وہ تو غیروں کا ادا کیا جاتا ہے۔"
"بالکل! اور یہ تو ہماری اپنی ہیں۔" اسفر نے انٹری دی۔ تیمور نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور مبہم سا مسکرا دیا۔ رانیہ کترا کر باہر نکل گئی۔
رانیہ اور گھر کے دیگر افراد کے مابین جو جھجک تھی۔ غیر محسوس انداز میں ختم ہو گئی۔ وہ بھی مصروف ہو گئی۔ اسے کام کر کے مزا بھی آتا تھا اور خوشی بھی ملتی تھی۔ وہ ساری ریسپیز جو اس نے رسالوں سے پڑھ پڑھ کر حفظ کر رکھی تھیں۔ یہاں بنانے کا موقع ملتا تھا۔ لڑکوں کو دھلے دھلائے استری شدہ کپڑے مل رہے تھے۔ سو وہ رانیہ آپی کے گن گاتے۔
بڑی اماں کی طبیعت بھی پہلے سے بحال ہو رہی تھی۔
ان ہی دنوں ایک دن ابا آئے۔ ڈھیر ساری سبزیوں اور پھلوں کے ساتھ۔ ساتھ ایک کین میں دس کلو دودھ بھی تھا۔ وہ انہیں لینے آئے تھے۔ مگر شبیر چچا نے روک لیا۔ بڑی ماں کی انتڑیوں کی سوزش اب کنٹرول ہونا شروع ہوئی تھیں۔ وہاں پھر کوئی بدپرہیزی ہوئی تو مسئلہ بڑھ بھی سکتا تھا۔ سو وہ متفق ہوتے علاج کے لیے مزید رقم رانیہ کو تھما کر چلے گئے۔
ذکیہ چچی نے سکون کا سانس لے کر رانیہ کو ساتھ لپٹا لیا کہ ایسے چٹورے مہمانوں کی خاطر داری ان کے بس کا روگ کہاں تھا۔



کچھ دن تو نبیلہ اور رفیعہ خالہ یہاں موجود رشتے

داروں سے ملنے میں مصروف رہیں۔۔۔ ذکیہ پہلے تنہا ہونے کی وجہ سے کہیں نکل نہ پاتی تھیں۔۔۔ ایک ہی شہر میں رہتے مہینوں رشتے داروں کی خیر خبر نہ ہوتی۔۔۔ اب گھر میں رانیہ اور بڑی اماں تھیں۔۔۔ سو بے فکر ہو کر ساتھ نکل جاتیں۔ پیچھے بڑی اماں بڑبڑاتیں۔

"ہاں۔ ہم نوکر ہیں جو ان کی گھر کی چوکیداری کریں۔"

"انہوں نے تو آپ سے بھی کہا تھا۔۔۔ چلی جاتیں۔"

"جانتی ہوں۔ دل سے نہیں کہا تھا۔ صرف صلح ماری تھی۔ پھر تمہیں اکیلے کیسے چھوڑ جاتی۔" کبھی کہتیں۔

"مجھے لگتا ہے اس بہانے خاندان میں لڑکیاں دیکھنے جاتی ہیں۔ آخر تیمور اب کمانے لگا ہے۔"

"نہیں ایسا کچھ سوچنا ہوا تو پہلے نبیلہ کے بارے میں سوچیں گی۔ آخر ان کی بھانجی ہے۔"

رانیہ نے ۔ چولہا بند کیا اور چاولوں کا ڈھکن اٹھادیا۔۔۔ سارے کچن میں چاولوں کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی۔ خود وہ سلاد کے لیے سبزیاں نکالنے لگی۔ رات ٹی وی پر اس نے سلاد بنانے کی مختلف مگر آسان ترکیب نوٹ کی تھی۔

"ارے رہنے دو۔ اس لڑکی میں ہے کیا؟ نری شوشا۔۔۔ خود کو کسی ڈرامے کی ہیروئن سمجھتی ہے۔"

"اچھا چھوڑیں۔۔۔ ہمیں کیا۔ ظہر کی اذان ہو رہی ہے۔ آپ وضو کریں۔"

"ٹھیک کہا۔ ہم کیوں دوسروں کی برائیاں کر کے ان کے گناہ جھاڑیں۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئیں۔ رانیہ نے سلاد بنایا۔ رائتہ بنایا۔ سلاد کا رنگ روپ دیکھ کر خود کو شاباش دی۔ پھر وہ کچن صاف کر رہی تھی۔ جب تیمور اور اجو ماموں ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ دونوں کسی بات پر زور و شور سے بحث کر رہے تھے۔

"بس کریں ماموں! آپ نے خود اپنی زندگی کو محدود کر لیا ہے۔ زندگی ایک جگہ ٹھہر جانے کا نام نہیں۔ تسلسل کا نام ہے۔ یوں ٹھہر کر آپ نے کسی اور کا نہیں صرف اپنا نقصان کیا ہے۔ دیکھا جائے تو سب کے سب آپ کی ذات سے فائدہ ہی اٹھا رہے ہیں۔"

"میاں! تم کیا جانو۔ محبت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"اس محبت کا فائدہ' جو زندگی کو روگ بنا دے۔۔۔ رانیہ۔ ! کھانا تیار ہے۔" وہ باتیں کرتے کرتے کچن کے دروازے میں آکھڑا ہوا۔

"جی۔"

"ماموں! یہیں آجائیں۔" دونوں ہاتھ دھو کر وہیں بیٹھ گئے۔ رانیہ نے جلدی جلدی کھانا لگایا۔

"واہ۔" ماموں نے سلاد باؤل نظروں کے سامنے لہرایا۔ رانیہ جھینپ کر پانی رکھنے لگی۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے بھی تسلسل داد دے رہے تھے۔

"بھئی بات یہ ہے کہ ذائقہ ہر ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ اس لڑکی کے ہاتھ میں جادو ہے۔"

"چلو۔ رانیہ! ایسی ہی جادو اثر چائے بھی پلادو۔" تیمور ہنس کر بولا۔ اس نے ایک بار بھی تعریف نہیں کی تھی۔ مگر کھانا پیٹ بھر کر کھایا تھا۔۔۔ رانیہ کو لگا محنت وصول ہوئی۔ ماموں نے جا کر ٹی وی کھول لیا۔ وہ چائے پیالیوں میں نکال رہی تھی۔ جب تیمور خود ہی چائے لینے آگیا۔ تب ہی رفیعہ خالہ' نبیلہ اور ذکیہ چچی واپس آگئیں۔ ذکیہ تو بڑی اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ جبکہ نبیلہ اور رفیعہ کچھ ٹھٹک کر رکیں۔ دونوں کو ساتھ ساتھ کھڑے دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

بات ساری ذہنیت کی ہوتی ہے۔ تب ہی اک عام سا منظر انہیں بہت خاص لگا۔ رفیعہ اس منظر کو اپنے ہی مفہوم پہنا رہی تھیں۔



"خیریت' تم کسی دورے پر نہیں نکلیں؟" نبیلہ کو گھر پر دیکھ کر اسفر نے پوچھا۔ جو اپنے کپڑے نکال نکال کر دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔"

"کیوں رشتہ داروں نے مزید برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔"

"جی نہیں۔ آج ہم تمہارے ساتھ کھانا باہر کھائیں گے۔ کسی بہت اچھے ریستوران میں۔" نبیلہ نے اطمینان سے جواب دیا تو اسفر کو غش آگیا۔

"ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں۔" اس نے گلاس رانیہ کے ہاتھ میں تھمایا اور خود تیزی سے نکلنا چاہا تو اندر آتے تیمور سے ٹکرا گیا۔ رانیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"خیریت۔" انہوں نے ایک نظر رانیہ کے ہنستے چہرے پر ڈالی۔

"یہ آگئے۔ اب ان سے کرو فرمائش۔"

"کیسی فرمائش؟"

"محترمہ کو کھانا باہر کھانا ہے۔"

"کچن سے باہر۔ صحن میں لگا دو۔"

"گھر سے باہر۔"

"کسے؟ رانیہ کو؟"

"نہیں۔ میں نہیں۔ نبیلہ..." رانیہ بوکھلائی۔

"تو کھلا دو۔ مہمان ہے۔" تیمور نے فراخ دلی سے کہا۔

"یہ مہمان داری۔ آپ نبھالیں۔"

"فرمائش تم سے ہوئی ہے۔ مجھ سے نہیں۔" انہوں نے والٹ نکالا اور پیسے اسفر کو تھما دیے... وہ بری طرح پھنس گیا۔

"یہ ہوئی نا بات... رانیہ! جلدی سے میری یہ والی قمیص استری کر دو۔" نبیلہ نے جوش سے کہا۔ رانیہ نے حیرت' اسفر نے ناگواری اور دروازے میں تیمور نے ٹھٹک کر نبیلہ کو دیکھا۔

"آپ کے ہاتھ میں کوئی ڈیفیکٹ ہے محترمہ!" اسفر نے اپنا لہجہ ہلکا پھلکا ہی رکھا۔

"کیوں؟" نبیلہ نے حیرت سے دریافت کیا۔

"کیونکہ رانیہ بھی آپ کی طرح یہاں مہمان ہے۔"

"اچھا..." نبیلہ نے غور سے رانیہ کو دیکھا۔ پھر ہنس دی۔ "دراصل... رانیہ کو دیکھ کر لگتا نہیں کہ یہ مہمان ہے۔"

رانیہ نے اس کے طنز کو پوری طرح محسوس کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ تیمور نے ایک طرف ہو کر رستہ دیا۔ پھر ملامتی سی نگاہ نبیلہ پر ڈال کر اسفر کی طرف متوجہ ہوا۔

"رانیہ کو بھی لے جانا۔"

رانیہ نے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ عذر یہی دیا کہ آج بڑی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ رفیعہ خالہ خوشی خوشی تیار ہو گئیں۔ اسفر نے سر پیٹ لیا۔

"تم بھی چلی جاتیں رانیہ! سارا دن کاموں میں جتی رہتی ہو۔" ان کے جانے کے بعد ذکیہ نے پیار سے رانیہ کو کہا۔ جو بڑی اماں کے سر میں مالش کر رہی تھی۔

"چچی! میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"بڑی نیک بچی ہے۔ جب سے یہ آئی ہے۔ میری تو ساری فکریں ہی دور ہو گئیں۔ کیسے سارا بوجھ اٹھا لیا۔"

بڑی اماں کو ذکیہ کے منہ سے تعریف سن کر دلی خوشی ہوئی۔ جبکہ رانیہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"بوجھ کیسا چچی! سارا دن فارغ رہ کر کرنا ہی کیا ہوتا ہے۔"

"رانیہ! یہ شرٹ کا بٹن تو لگا دو۔ اگر فارغ ہو تو۔" تیمور شرٹ اٹھائے اندر آیا۔

"جی فارغ ہو گئی۔ شرٹ رکھ دیں۔ میں ہاتھ دھو آؤں۔"

اور ہاتھ دھوتے ہوئے رانیہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ سب بھی اپنے کاموں کے لیے رانیہ ہی کو آواز دیتے تھے۔ مگر جب نبیلہ نے کہا تو دونوں بھائیوں کو کیسے غصہ آیا تھا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو اسفر کا موڈ خراب تھا۔ جبکہ نبیلہ اور رفیعہ خالہ خاصی خوش تھیں۔

ان کے اِدھر اُدھر ہونے کے بعد اسفر بتانے لگا۔

"سب سے پہلے ہوٹل کے چکنے فرش پر رفیعہ خالہ سلپ گئیں۔ ہائے کیا منظر تھا۔ جب وہ چاروں شانے

چت ہوٹل کی چھت کو گھور رہی تھیں۔ اب ان کو ہلانا مجھ جیسے بندے کے بس کی بات کہاں تھی۔۔۔۔ دو بیرے بلوانے پڑے۔۔۔۔ دوسری محترمہ نے بیٹھتے ہوئے ایسی زور سے ٹیبل ہلائی۔ کہ اس پر رکھا کرسٹل کا گلاس۔۔۔۔ یہ نیچے۔۔۔۔"

اس کے بیان سے زیادہ اس کے انداز دلچسپ تھے۔ ہنستے ہنستے رانیہ کا برا حال ہو گیا۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ تیمور نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ لیے دیے انداز میں اور بے حد خاموش رہا کرتی تھی۔

"اس کی ہنسی کتنی کھنک دار ہے۔"

"بس کرو اسفر! اگر کسی نے سن لیا تو۔" وہ بمشکل بولی۔

"خدا کی قسم بھائی! آئندہ میں انہیں ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" نبیلہ ہاتھ منہ دھو کر آگئی۔

"کچھ نہیں کھانے کی تفصیل بتا رہا تھا۔" اسفر نے منہ بنا کر کہا۔ رانیہ کی دوبارہ سے ہنسی چھوٹ گئی۔ تیمور مسکراہٹ دباتا کھڑا ہو گیا۔

نبیلہ مشکوک نگاہوں سے سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔



باہر آسمان پر بادل تیزی سے اکٹھے ہو رہے تھے۔ غالب گمان تھا کہ یہ سیاہ گھٹائیں ضرور برسیں گی۔ بڑی اماں تھوڑی دیر قبل تیمور کے ساتھ اپنا چیک اپ کروا کر لوٹی تھیں۔ اب تیمور ان کی دوائیاں لینے گیا تھا۔

"بڑی اماں کچھ کھائیں گی؟" رانیہ نے آہستگی سے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ کچھ نڈھال سی لگ رہی تھیں۔

"نہیں کچھ دیر لیٹوں گی۔"

رانیہ نے پلٹ کر بیگ سے وہ روپے نکالے جو ابا دے کر گئے تھے۔ تب ہی اسفر اندر آیا۔

"بڑی اماں! تھوڑی دیر کے لیے اپنا چھاتا ادھار دے دیں۔"

اور بڑی اماں۔ وہ تو ساری بیماری بھول بھال گویا بندوق تان کر کھڑی ہو گئیں۔

"خبردار! میرے چھاتے کی طرف دیکھا بھی تو۔۔!"

"ارے۔ میں تو بس تھوڑی دیر کے لیے۔"

"ہاں خراب کر دو۔۔۔۔ یا توڑ پھوڑ دو تو۔" وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔

"دلیں۔۔۔۔۔ میں کوئی بچہ ہوں۔" وہ خفا ہو کر باہر نکلا۔۔۔ رانیہ اس کے پیچھے لپکی۔

"اسفر۔ بھیا! برا مت مانو۔ بس اماں اس کے بارے میں بہت جذباتی ہیں۔ کسی کو بھی نہیں دیتیں۔"

"کیوں یہ کیا بڑے ابا کی نشانی ہے۔" وہ برآمدے کے کنارے روٹھا کھڑا تھا۔ صحن میں بارش برس رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔۔ ان کے پوتے کی نشانی ہے۔۔۔ ہمارے چھوٹے چچا بہت پہلے دبئی چلے گئے تھے۔ شادی بھی وہیں کی۔ کچھ برس پہلے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چند دنوں کے لیے پاکستان آئے۔ فہد جاتے ہوئے یہ چھتری بھول گیا۔ تب سے اسی کو سینے سے لگائے پھرتی ہیں۔ بارش ہو یا دھوپ اسے ساتھ لے کر گاؤں میں نکلتی ہیں۔ سنبھال سنبھال کر رکھتی ہیں کہ کبھی تو وہ واپس آئے گا اور اپنی چھتری مانگے گا۔"

"تو چچا پھر کبھی واپس نہیں آئے؟"

"نہیں۔ کچھ عرصہ تک خط وغیرہ آتے رہے۔ بڑی اماں کو پیسے بھی بھجواتے تھے۔ پھر سب بھول بھال گئے۔ سنا ہے خوش ہیں۔ اپنے بیوی بچوں میں مگن۔ ماں کبھی یاد ہی نہیں آئی۔"

"اوہ سوری۔ دراصل مجھے ٹیوشن کے لیے جانا ہے۔ لیکن اب لگتا ہے ارادہ ملتوی کرنا پڑے گا۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔" وہ سیڑھیاں چڑھ گیا تو رانیہ شبیر احمد کے کمرے میں آگئی' جانتی تھی وہ اس وقت کمرے میں تنہا ہوں گے۔

"آؤ۔۔۔۔ آؤ رانیہ بیٹی! اوں۔ خالی ہاتھ۔ بھئی میری چائے کہاں رہ گئی۔" خوش دلی سے گویا ہوئے۔

"چائے لاتی ہوں چچا جان! ابھی تو یہ دینے آئی تھی۔" اس نے رقم ان کی طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟" ان کے چہرے پر سنجیدگی در آئی۔

"بڑی اماں کے علاج کے لیے ابا نے کچھ رقم دی تھی۔"

"تو میں اس کا کیا کروں؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ آپ ان سے نہیں لیں گے تو میں آپ کو...!"

"جاؤ۔"

"جی...؟" رانیہ نے حیرت سے چچا کو دیکھا۔ جو سخت غصے میں آ گئے تھے۔

"ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔"

"لیکن چچا! یہ۔"

"جاؤ۔" وہ دھاڑے۔ رانیہ نے بھاگنے میں عافیت جانی اور برآمدے میں تیمور سے ٹکرا گئی۔ وہ بھی بارش کی وجہ سے بھاگتے ہوئے برآمدے میں آیا تھا۔ رانیہ کے ساتھ ساتھ بمشکل دوائیاں سنبھالیں۔

"خیریت؟"

"کچھ نہیں۔ وہ چچا جان بہت زور سے ڈانٹا تو میں..." وہ خجل سی ہو کر دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

"ابو نے تمہیں کیوں ڈانٹا...؟"

"کچھ نہیں۔ میں تو صرف یہ رقم انہیں دینے گئی تھی کہ اماں کے علاج پر لگا دیں۔"

"پھر تو ٹھیک ڈانٹا۔ یہ دوائیاں پکڑو۔"

"سنیں۔ تیمور بھائی! آپ یہ پیسے رکھ لیں۔ اتنی مہنگی دوائیاں آتی ہیں۔"

تیمور اس کی طرف جھکا۔

"سنو لڑکی! میں ابو سے زیادہ زور سے ڈانٹ سکتا ہوں۔ اس لیے فوراً یہاں سے بھاگ لو۔"

اس نے ہاتھ پکڑ کر دوائیوں کا شاپر اسے تھمایا اور اندر چلا گیا۔ وہ متذبذب سی وہیں کھڑی رہی۔ پھر ہلکا سا مسکرا کر بڑی اماں کے پاس چلی گئی۔ اور کھڑکی سے رفیعہ خالہ نے سنا تو کچھ نہیں۔ ہاں دیکھا بہت کچھ۔

☼ ☼ ☼

"ذکیہ! یہ تائی یہاں کیوں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہیں۔" باداموں والا ست رنگا زردہ جو بطور خاص فرمائش کر کے بنوایا گیا تھا' کھاتے کھاتے رفیعہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ ذکیہ پاس بیٹھی شملہ مرچ کاٹ رہی تھیں۔

"علاج کروانے آئی ہیں۔"

"اور یہ ان کی پوتی۔ رانیہ...!" انہوں نے یوں نام لیا گویا حلق میں کوئی کڑوا بادام آ گیا ہو' اب کے ذکیہ نے ذرا حیرت سے بہن کو دیکھا۔

"ان کی دیکھ بھال کے لیے۔"

"ہا...... ہا..." وہ یوں ہنسیں کہ پورا تخت ہل ہل گیا۔ ذکیہ کو ٹوکری کے ساتھ ساتھ خود کو بھی سنبھالنا پڑا...... ایک شملہ مرچ پھدکی اور دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ فیملی میگزین پڑھتی نبیلہ نے ناگواری سے ماں کو دیکھا۔

"امی! اب بریک بھی لگاؤ۔"

"اللہ بخشے' ہماری ماں ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ ہم پانچ بہنوں میں یہ ذکیہ' اللہ میاں کی گائے ہے تو بچپن سے ہی ایسی بھولی بلکہ بدھو۔ جس کا دل چاہے ڈوری پکڑ کر گھما ڈالے یہ گھوم جائے گی۔"

"پتا نہیں کیا بولے جا رہی ہو۔ رفیعہ آپا! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" ذکیہ نے بے زاری سے دور شملہ مرچ کو یوں دیکھا۔ گویا وہ ان کے اشارے پر دوڑی چلی آئے گی۔

"ذکو! تمہیں سمجھ میں اسی وقت آئے گا' جب پانی سر سے اونچا ہو جائے گا۔ وہ چھٹانک بھر کی چھوکری تیری آنکھوں میں دھول جھونک کر کیا کیا کھیل کھیل رہی ہے تو آنکھیں بند کر کے سوتی رہ۔ جوان لڑکوں والا گھر اور وہ یوں دندناتی پھر رہی ہے گویا تو نہیں وہ اس گھر کی مالکن ہو۔"

اور نبیلہ بھی میگزین چھوڑ ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

"جانے دیں آپا! وہ ایسی لڑکی نہیں۔ بڑی شرم حیا والی بچی ہے اور یہ بھی تو دیکھو مجھے کتنا سکھ دے رہی ہے' سارا دن گھر کے کام' کچن' کپڑے..."

"بس اسی جھانسے میں رہنا۔" وہ تلملا کر رہ گئیں۔

"ویسے۔ لڑکی تو اچھی ہے۔" ذکیہ کچھ سوچ کر مسکرائیں۔ "ساری زندگی کے لیے گھر کے کاموں سے جان چھوٹ جائے گی۔"

رفیعہ نے اس زور سے پلیٹ پٹخی کہ دو ٹکڑے ہوتے ہوتے بچی۔

"ہاں۔ پھر تو وہ تجھے پلنگ پر بٹھا کر ہی کھلائے گی۔ کیسی بے عقل ہے۔ کچھ نظر ہی نہیں آرہا اور میں نے ایک ہفتے میں دیکھ لیا یہاں ہو کیا رہا ہے۔ لڑکے ہیں تو رانیہ آپی۔ رانیہ آپی عشبیر احمد ہیں تو رانیہ بیٹی۔ چائے اس کے ہاتھ کی پیئں' کھانا ماں کے ہاتھ کا بد مزا لگنے لگا ہے۔ کپڑوں کے لیے آواز اسی کو پڑتی ہے۔ اور تیمور وہ دفتر سے آتے ہی سیدھا بڑی اماں کے کمرے میں حاضری دیتا ہے۔ تو کہاں ہے' کن خیالوں میں ہے۔ وہ دن دور نہیں جب بیٹا ماں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک بار اس گھر میں آگئی۔ تو تجھے یوں کونے میں لگائے گی۔ گویا وہ دیوار پر لگی تصویر۔ ہمارا کام تھا خبردار کرنا۔ آگے تو جان تیرا کام۔ سیانی مائیں کبھی بیٹوں کی شادی ان کی پسند سے نہیں کرتیں۔ ورنہ سر پکڑ کر روتی ہیں۔"

ذکیہ ہکا بکا بہن کی شکل دیکھے گئیں۔

"ہاں امی! بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ تیمور نے مجھ سے تو کبھی اچھی طرح بات بھی نہیں کی۔ اور اس سے یوں مسکرا مسکرا کر چیزیں مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی ایسی میسنی ہے۔ آدھی رات تک کچن میں کھڑی رہتی ہے۔ پتا ہے نا سب سے آخر میں تیمور نے آکر کھانا کھانا ہوتا ہے۔" نبیلہ کی آنکھ میں آنسو سے اتر آئے رفیعہ نے جھٹ سے اسے بغل میں دبوچ لیا۔

"ہائے میری معصوم بچی! ایسی چالاکیاں تجھے تو نہ آئیں۔ کیسے کیسے ارمان تھے دل میں کہ تیمور تو میرا ہی بیٹا ہے۔ میری بہن ہے۔ میرا ہی احساس کرے گی۔ پر ٹھیک ہے۔ جیسے تیرے نصیب۔ وہ حامد یاد ہے۔ جس نے اپنی پسند کی شادی کی اور اس کی بیوی نے بیمار ماں کو..."

ایک کے بعد ایک قصہ۔ دونوں ماں بیٹی نے مل کر ذکیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اور ذکیہ سچ مچ بھولی بلکہ بدھو تھیں۔ جس کا دل چاہے ڈوری پکڑ کر گھما دے۔ اور رفیعہ نے انہیں گھما ڈالا تھا۔

تھکے' الجھے ذہن کے ساتھ وہ ٹوکری اٹھا کر کچن میں آئیں۔ جہاں رانیہ رات کے کھانے کے لیے قیمہ بھون رہی تھی۔ ساتھ ہی اسفر مگ میں کافی پھینٹ رہا تھا۔ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ذکیہ نے ٹوکری کاؤنٹر پر پٹخی۔

"امی! میں رانیہ کو کافی بنانا سکھا رہا ہوں۔"

"کیوں؟" سوال بے جواز تھا۔ رانیہ سبزی اٹھا کر دھونے لگی۔

"مستقبل میں بھی بنانا پڑ سکتی ہے۔" اسفر نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ہوں۔" وہ پلٹیں' پھر ٹھٹک گئیں۔ کافی اس گھر میں کون پیتا تھا۔

صرف تیمور...

مستقبل میں کافی...

ان کا سر خواہ مخواہ چکرانے لگا۔



بڑی اماں کی طبیعت رات سے خاصی خراب تھی۔ گھر میں نت نئے کھانے بنتے۔ وہ اپنا پرہیزی کھانا چھوڑ کر دستر خوان پر آموجود ہوتیں۔

"بڑی اماں! بس آج سے آپ کھانا اپنے کمرے میں کھائیں گی۔" رانیہ چڑ گئی تھی کہ اچھا بھلا ٹھیک ہوتے ہوتے پھر سے بیمار پڑ گئی تھیں۔

"تیری وہ پھیکی سیٹھی کھچڑی میرے حلق سے نہیں اترتی۔"

"تو آرام کیسے آئے گا؟"

"نہ آئے۔" وہ ننھے بچوں کی طرح روٹھی تھیں۔

"ٹھیک ہے' ابا کو فون کرتی ہوں۔ آج ہی ہمیں واپس لے جائیں۔ فائدہ علاج کروانے کا۔"

"آرام آگیا' تو واپس جانا پڑے گا۔" رفیعہ

بریز ڈائیں۔ ذکیہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"بڑی امی! باسط آپ کو دیکھنے آیا ہے۔" تیمور نے اندر آکر اطلاع دی۔

"ہاں۔ ہاں۔۔۔ بلا لو۔ بڑا ہی نیک بچہ ہے۔"

"رانیہ! جب تک تم چائے بنالو۔" تیمور نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا۔ ذکیہ نے فوراً" اٹھنے کی کوشش کی۔

"میں بناتی ہوں۔"

"نہیں امی! آپ بڑی اماں کے پاس بیٹھیں۔ رانیہ بنالے گی۔ ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔" وہ نارمل سے انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ رفیعہ خوامخواہ کھنکارنے لگیں۔ ذکیہ نے سٹپٹا کر نبیلہ کو وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی اٹھ کر کچن میں آگئی۔ رانیہ فریج کھول کر جائزہ لے رہی تھی۔

"کیا بنانے لگی ہو؟"

"دہی بڑے بنائے تھے۔ ساتھ میں کباب فرائی کر دیتی ہوں۔ کیا خیال ہے؟"

"میں نے تو ابھی چکھے بھی نہیں۔"

"بہت ہیں تم بھی لے لو۔ تم بھی تو مہمان ہی ہو۔"

"اور تم۔۔۔" نبیلہ نے جھجکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ رانیہ کو اس کا انداز محسوس تو ہوا۔ مگر ہنس کر ٹال گئی۔ وہ ذکیہ چچی کی سگی بھانجی تھی۔

"ایک دن مہمان۔ دوسرے دن مہمان اور تیسرے دن۔ پنجابی کی کہاوت تو تم نے سنی ہی ہوگی۔"

"تمہارا یہاں دل لگ گیا ہے؟" نبیلہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجبوری ہے۔ بہن۔۔۔! ورنہ اپنے گھر کی تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اماں بہت یاد آنے لگی ہیں۔"

نبیلہ کو لگا۔ وہ اس کے سامنے بن رہی ہے۔ اس لیے طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ دہی بھلے ایک بڑے باؤل میں نکالے اور باہر آگئی۔ رفیعہ ہانپتی کانپتی آکر تخت پر ڈھیر ہو گئیں۔ وہ ہمیشہ چلتی کم اور ہانپتی زیادہ تھیں۔

"شاباش لڑکی! وہ وہاں کچن میں اپنا سگھڑاپا دکھا رہی ہے اور تو پیالہ بھر بھلے کھا رہی ہے۔ نہیں کہ چائے ہی بنا دیتی۔"

"کرتی رہے۔ اب چار دن یہاں آرام کرنے آئی ہوں یا کام۔"

"ہاں۔ وہاں تو بڑا جوتی تھیں۔"

"بڑے مزے کے ہیں۔ امی ٹیسٹ تو کرو۔" اس نے ماں کی بات کا برا نہ مانا۔

"ہاں کم بخت کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔ یہ تمہارا ماموں کہاں ہے؟"

"چچا شفیع کے گھر گئے ہیں۔"

"اب وہاں بھی موٹر کھول کر بیٹھ گیا ہوگا۔ اس اجو کو بھی ذرا عقل نہیں۔ سارے خاندان کو مفت کا مکینک مل گیا ہے۔ اب سارے کھا جائے گی؟"

"آپ کے لیے اور لے آتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

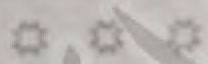
دوسری طرف باسط حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"خیریت تو ہے تیمور! آج تمہارے گھر میں اتنی جلدی چائے اور وہ بھی لوازمات کے ساتھ۔"

"بکواس نہ کر۔ تجھے تو پتا ہی ہے۔ امی بیمار رہتی ہیں۔ اب یہ رانیہ۔۔۔"

"وہ تو یہ سارا کمال گاؤں کی گوری کا ہے۔"

"میرا خیال ہے تمہیں عزت راس نہیں آئی۔" تیمور نے گھورا تو وہ شرافت سے چائے پینے لگا۔



بڑی اماں کو پرہیزی کھانا کھلا کر دوا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگیں تو رانیہ باہر نکل آئی۔ لمبی دوپہر کاٹے نہ کٹ رہی تھی۔ اپنا گھر شدت سے یاد آنے لگا۔ برآمدے میں اجو ماموں ٹی وی کھولے بیٹھے تھے۔

"تمہیں بھی دوپہر کو نیند نہیں آتی۔ بھئی ہم تو جوانی میں بہت سویا کرتے تھے۔"

وہ مسکرا کر استری اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں دھلے کپڑوں کا ڈھیر رکھا تھا۔ اب فارغ بیٹھنے سے تو اچھا تھا۔ کپڑے استری کر دیتی۔ اجو ماموں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ اپنا بچپن، اسکول کا زمانہ۔ اساتذہ کی

مار۔

"ماموں! آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟" ذہن میں چبھتا سوال زبان پر آگیا۔

"وہ نہیں مانی۔"

"کون؟"

"جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے پیچ کس کان پر پھنسایا اور کپڑے سے ہاتھ صاف کرنے لگے۔

"یہ کب کی بات ہے؟"

"زمانے گزر گئے۔ تب میں سولہ سال کا لڑکا تھا۔ میٹرک کا اسٹوڈنٹ۔ پانچ سال تک رج کے عشق کیا اور جب شادی کی باری آئی تو اس نے اسی لڑکے کے بڑے بھائی سے شادی رچالی۔ جس کے ہاتھ میں اسے خط اور تحفے بھجوایا کرتا تھا۔ اور صاف مکر گئی کہ زندگی میں اس نے مجھ سے محبت بھی کی تھی۔ بس دل ٹوٹ گیا۔"

"اچھا۔" رانیہ کسی سوچ میں ڈوبی۔ "تو کیا محبت اپنی زندگی برباد کر لینے کا نام ہے۔"

"لڑکی! فضول باتیں مت کرو۔" انہوں نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ "اگر تمہاری دادی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ میں تمہیں یہ سب بتا رہا ہوں۔ تو رہے سہے بال بھی اتار دیں گی۔ جوان لڑکیوں کو ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

"خود چاہے سولہ برس کی عمر میں عشق کیا ہو۔" رانیہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تو انگلی اٹھاتے تنبیہاً بولے۔

"فضول باتیں مت کرو۔" ٹی وی کا انجر پنجر اس کے اندر ڈال کر بند کیا اور کندھے پر رکھے اندر چلے گئے۔ پیچھے صرف ان کی گنگناہٹ رہ گئی۔

"شب غم مجھ سے مل کر ایسے روئی۔"

"یہ بھی خوب انسان ہیں۔" وہ اپنے کام میں منہمک ہوئی۔ چاچا اور چاچی کے کپڑے پریس کر کے تہہ لگائی۔ پھر شرٹس استری کرنے لگی تب ہی نبیلہ کمرے سے آنکھیں ملتے ہوئے برآمدے ہوئی۔ اسے دیکھا تو جھنجلا گئی۔

"یہ تم ہر وقت کام ہی کرتی رہتی ہو۔"

"تو اور کیا کروں۔" رانیہ نے سادگی سے پوچھا۔

"کپڑے استری کر رہی ہو۔"

"نہیں کھانا بنا رہی ہوں۔" رانیہ کو اس کے بے تکے سوال پر ہنسی آگئی۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔" نبیلہ کو برا لگا پھر پوچھنے لگی۔ "یہ شرٹ تیمور کی ہے؟" رانیہ نے غور سے کاسنی شرٹ کو دیکھا۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

"پتا نہیں۔"

"اتنی معصوم تو نہیں ہو۔"

"ہاں اس سے زیادہ ہوں۔"

"اب یہ کپڑے الماری میں رکھنے جاؤ گی۔ آج چھٹی ہے اور تیمور اپنے کمرے میں ہی ہے۔"

رانیہ نے ایک پل کو نبیلہ کی بات کے مفہوم پر اچھی طرح غور کیا۔ پھر اپنے غصے کو دباتی کھڑی ہوئی۔ استری بند کی اور اطمینان سے بولی۔

"استری میں نے کر دیے ہیں۔ سب کے کمرے میں تم رکھ آؤ۔ اور بے شک کہہ دینا کہ استری بھی تم نے کیے ہیں۔"

"ہونہہ۔ کتنی تمیز ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے ایسے جتن کرنے کی۔ تیمور میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔" نبیلہ اس کے جانے کے بعد تک بڑبڑاتی رہی۔ نبیل نے حیرت سے اسے دیکھا اور ہمدردی سے پوچھا۔

"ہواؤں سے کیوں لڑ رہی ہو آپی؟"

"ہونہہ! مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے لڑنے کی۔" وہ تنک کر بولی تب ہی نبیل کی نگاہ استری شدہ کپڑوں پر پڑی۔

"یہ سب آپ نے کیا ہے؟"

نبیلہ نے ایک نظر تہہ شدہ کپڑوں پر ڈالی پھر ڈھٹائی سے بولی۔

"ہاں۔"

☆ ☆ ☆

"یہ موٹی بھینس اور چھوٹی بطخ واپس کب جائیں گی۔" برے برے منہ بنا کر دلیہ کھاتی بڑے اماں نے اچانک سوال کیا۔ رانیہ کا منہ کھل گیا۔ پھر سمجھ میں آیا تو کھل کر ہنسی۔

"آپ بھی نا!"

"زہر لگتی ہیں دونوں۔ ویسے بھی ان کے ارادے ٹھیک نہیں۔"

"کیوں، ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ ہے؟" رانیہ نے رازداری سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ذکیہ کے بیٹے پر۔"

"چلیں۔۔۔ ہمیں کیا۔" رانیہ چوٹی کھول کر بالوں میں برش کرنے لگی۔

"ہمیں کیوں نہیں۔ میں نے تو کئی بار سوچا ہے۔" کچھ کہتے کہتے بات لبوں میں دبا گئیں اور آئینے میں منعکس ہوتا رانیہ کا عکس دیکھنے لگیں۔

"ماشاءاللہ، کیسی نکھرتی جا رہی ہے۔"

وہ اسے کسی اور حلیے کسی اور روپ میں دیکھ رہی تھیں۔ رانیہ بالوں کی چوٹی بنانے لگی تو بے اختیار بولیں۔

"کبھی کبھی بالوں کو وہ بھی لگا لیا کر۔ کیچر"

"ارے۔ آپ ہی تو کہتی ہیں اس سے بال خراب ہوتے ہیں۔"

رانیہ نے کہا تو وہ چپ سی ہو گئیں۔ دوسری طرف ذکیہ، تیمور سے پیسے مانگ رہی تھیں۔

"تمہاری خالہ نے پرسوں واپس چلے جانا ہے۔ سوچتی ہوں نبیلہ کو دو سوٹ لے دوں۔ وہ بھی تم سب کے کپڑے لائی ہیں۔"

"ان کی کون سا جیب سے پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اعجاز میاں جو ہیں چلتے پھرتے بینک۔" شبیر احمد نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"ہاں تو اعجاز کے کون سا آل اولاد ہے۔ بھانجے، بھانجیوں پر ہی خرچ کرے گا۔ بڑا پیسہ ہے میرے بھائی کے پاس، خاندان میں جس کو ضرورت ہو اسی سے ادھار مانگتا ہے۔" ذکیہ کے لہجے میں فخر اتر آیا۔

"ہاں جو کبھی واپس نہیں ہوتا۔" وہ بڑبڑائے۔

"تو آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟" وہ چڑ گئیں۔

"زیادہ خود غرضی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

"تیمور!" وہ تلملا کر تیمور کی طرف پلٹیں۔

"لے لیں امی! صبح دے دوں گا۔"

"ایک سوٹ رانیہ اور ایک بڑی اماں کے لیے بھی لے آنا۔" شبیر احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔

"لے آؤں گی، وہ جانے کا نام تو لیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔



وہ چائے بنانے کے لیے نکلی تو برآمدے کے آخر میں ٹھٹک کر رک گئی۔ اوپر بنا چاند اور چاندنی کے سیاہ رات بہتی تھی، اور وہ چارپائی پر دراز دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہولے ہولے گنگنا رہے تھے، ان کی رہ رہ کر ابھرتی گنگناہٹ اس رات کی اداسی و تنہائی میں اضافہ کر رہی تھی۔

"دشتِ ہجراں میں سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں ترے آبلہ پا تیرے بعد

لب پہ اک حرفِ طلب تھا، نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش، نہ دعا تیرے بعد"

رانیہ کو وہ بے حد تنہا، اداس اور بے چین لگے، وہ آہستگی سے چلتی ان کے قریب آ گئی۔

"ماموں!"

ان کی گنگناہٹ نے دم توڑ دیا۔

"چائے لاؤں؟"

"نبیلہ سے کہا تو تھا۔" انہوں نے ٹوپی منہ پر کھینچ لی، نہ جانے کیوں رانیہ کو شک ہوا ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔

"نبیلہ تو۔۔۔" رانیہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، نبیلہ اکثر ماموں کی فرمائش یونہی نظر انداز کر کے کہہ دیتی۔ "میں

بھول گئی تھی۔"

"بلا دو لڑکی!" وہ اس کی ادھوری بات جان گئے تھے۔ تب ہی لہجے میں تھکن سی ابھر آئی۔

رانیہ کچن میں چلی آئی' پھر سوچا باقی سب سے بھی پوچھ لے' رفیعہ' ذکیہ اور نبیلہ لاؤنج میں تھیں اور رفیعہ کہہ رہی تھیں۔

"بس تم کسی بھی بہانے کچھ دنوں کے لیے اجو کو یہاں روک لو' اتنے میں' میں اس چنڈال کا کچھ کرتی ہوں۔"

لاشعوری طور پر رانیہ ٹھہر گئی۔

"پر۔ آپا! اب اجو کا گھر بس جائے تو اس میں حرج کیا ہے؟"

"ہائے نہیں' پھر تو ہمیں ماموں کا گھر خالی کر کے اپنے گھر جانا پڑے گا' اور وہ گھر کتنا چھوٹا ہے۔" نبیلہ تڑپ کر سیدھی ہوئی۔

"تو۔ تو چپ کر۔ اب اس عمر میں گھر بسائے گا' جب ہم زور لگا رہے تھے' تب تو مانا نہیں۔"

"اب وہ کرنا چاہتا ہے تو آپا! تم کیسے روکو گی۔"

"وہ کہاں؟ یہ چڑیل پیچھے پڑ گئی' عین سامنے والے گھر میں رہتی ہے' دو سال پہلے بیوہ ہو گئی' اب اجو پر نظر ہے' اکثر کچھ نہ کچھ پکا کر بھجواتی ہے' تم اعجاز کو یہاں روکو' میں اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لوں گی۔"

اگلے دس منٹ کی گفتگو میں رانیہ کو ان کی سوچ اور ذہنیت پر افسوس ہونے لگا' وہی روایتی' خود غرضانہ باتیں کہ اس کی بیوی کے آنے پر ان ساری مراعات سے محروم ہونا پڑے گا۔ جن سے رفیعہ اور ان کے دیگر بہن' بھائی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ چپکے سے پلٹی' ان کے لیے چائے بنا کر آئی تو ماموں اب بھی اسی پوزیشن میں گنگنا رہے تھے اور تیمور واش بیسن پر ہاتھ منہ دھو رہا تھا۔

میری روح میں جو اتر سکیں' وہ محبتیں مجھے چاہئیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں' وہ رفاقتیں مجھے چاہئیں

"ماموں! چائے۔"

"آہ۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے' پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"تم اچھی لڑکی ہو۔"

"شکریہ۔" اس نے بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑسا۔ "ایک بات کہوں؟" چائے کی چسکی لیتے ماموں نے ایک سوالیہ نظر اس پر ڈال کر اجازت دی۔

"اگر دل میں نئی رفاقتوں کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو اب اس سے دست بردار مت ہوں' اپنے لیے خود سوچیں۔ کبھی کبھی ہمارے بہت اپنے' خود غرض ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بارے میں درست فیصلہ نہیں کر پاتے۔ سو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ بیتی محبت گزرے زمانے کو بھول جائیں۔ یوں بھی آپ کی محبت کسی مزار پر بیٹھ کر محبوب کا نام جپنے والی نہیں۔ وہ اپنی زندگی شروع کر چکیں' آپ اپنی زندگی شروع کریں' سیانے کہتے ہیں' ہم سفر کے بغیر جوانی کٹ سکتی ہے' بڑھاپا نہیں۔"

ماموں کی چائے ہاتھ میں ہی ٹھنڈی ہو گئی۔

تیمور نے اک خوشگوار سی حیرت کے ساتھ تولیہ کھینچ کر چہرہ صاف کیا۔

"کچھ لوگ کم بولتے ہیں' مگر اچھا بولتے ہیں۔" دوپٹے کی بکل میں چھپی سادہ سی لڑکی کو اس رات تیمور نے بلا ارادہ کئی بار سوچا تھا۔



ماموں اعجاز جاتے ہوئے بڑی اماں سے ملنے آئے' رانیہ وہیں بیٹھی اماں کے کپڑے تہہ لگا رہی تھی' انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہا" کہا۔

"بڑوں کو نصیحت نہیں کرتے۔"

"سوری ماموں!" اس نے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"بہت سے لوگ' بہت کچھ کہتے ہیں' مگر وہ باتیں یونہی سر سے گزر جاتی ہیں' لیکن کبھی کبھی وہی بات سیدھا دل میں اتر جاتی ہے' یہ اس لمحے کا اعجاز ہوتا ہے

یا کہنے والے کے خلوص کا اثر‘ بہرحال اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔"

وہ ذکیہ کے لاکھ روکنے پر بھی نہیں رکے تھے اور اس وقت رفیعہ بری طرح جھنجلائیں جب انہوں نے کہا۔

"ان شاء اللہ! جلد ہی آپ سب کو بلاؤں گا۔"

اور جاتے جاتے انہوں نے ایک بات تیمور کے کان میں بھی کہی تھی۔

"تم نے شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"ابھی تو کچھ نہیں۔"

"جب بھی سوچنا اس لڑکی کو ذہن میں رکھنا۔ تمہارے گھر کو جنت بنا دے گی۔"

تیمور نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ رانیہ‘ رفیعہ خالہ سے مل رہی تھی‘ وہ ماموں کی طرف پلٹا‘ وہ مسکرائے اور باہر نکل گئے۔

اس رات تیمور نے کھل کر رانیہ کے بارے میں سوچا۔ اس کے ذہن میں اپنی شریکِ حیات کے بارے میں صرف اتنا ہی تصور تھا کہ کوئی ایسی لڑکی ہو‘ جو ہر قسم کے حالات میں اس کا ساتھ دے سکے‘ اس نے زندگی میں بہت برے حالات دیکھے تھے اور اچھے بھی‘ سو ایسی لڑکی جو تنگی و فراخی میں اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے‘ اس کے گھر کو پُرسکون رکھے‘ باقی تعلیم‘ شکل و صورت‘ امارت کے بارے میں اس نے کبھی کچھ نہ سوچا تھا۔

"تو ایسی لڑکی‘ رانیہ کے سوا اور کون ہو سکتی ہے؟"

دل نے چپکے سے فیصلہ دے دیا تھا۔



سارا مسئلہ ٹائمنگ کا تھا یا قسمت کا۔ صحیح بات غلط وقت پر ہو جانے سے بھی بات ہلکی پڑ جاتی ہے‘ سب گڑبڑ ہو جاتی ہے‘ ابھی تو رفیعہ خالہ کی باتوں کی گونج ان کے کانوں میں تھی کہ تیمور نے چپکے سے ماں سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔

اولاد اپنی ماں سے ہی کہہ سکتی ہے۔ مگر نہ جانے کیوں مائیں ہی اس موقع پر اولاد کی دشمن ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ تیمور نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اس پورے گھر کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر کیا تھا۔

معاملہ صرف دل کا نہ تھا۔

مگر ذکیہ حیرت سے یوں بیٹے کا منہ دیکھنے لگیں گویا اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

(گویا رفیعہ ٹھیک کہہ گئی تھیں‘ میری ہی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔) دماغ میں گھنٹی بجی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو؟"

تیمور نے تعجب سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

"وہ لڑکی کسی بھی طرح تمہارے قابل نہیں۔" وہ اضطراری انداز میں آلو کے موٹے موٹے چھلکے اتارنے لگیں۔

"وہ کیسے؟" اس نے تحمل سے دریافت کیا۔

"تمہیں اس میں نظر کیا آیا ہے‘ جاہل گنوار‘ اللہ جانے ایف اے بھی کیا ہے یا نہیں‘ اور تم اعلا تعلیم‘ اچھی ملازمت‘ تمہیں تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی۔"

"رانیہ! اچھی لڑکی نہیں؟ کہاں تو آپ ہر وقت رانیہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتی تھیں اور اب..."

"بس۔ وہ تمہاری بیوی کی حیثیت سے مجھے قبول نہیں‘ اس کی تعلیم۔" وہ محض اسے چپ کروانے کے لیے لولے لنگڑے عذر تراش رہی تھیں۔

"امی! مجھے ڈگریوں سے کیا لینا دینا‘ وہ سلیقہ مند ہے‘ سگھڑ ہے‘ گھر سنبھالنا جانتی ہے‘ پھر اتنی خدمت گزار..."

تیمور کو سرے سے اعتراض کی وجہ ہی نظر نہ آئی تھی‘ مگر ماں کا رویہ عجیب و غریب تھا۔ اس کی توقع کے برعکس۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اک خوبرو نوجوان تھا۔ خوب صورت‘ امیر گھرانوں کی لڑکیوں کے رشتے گھر بیٹھے آرہے تھے‘ مگر صرف خوب صورتی اور امارت نہیں چاہیے تھی۔ اسے صرف گھر کا سکون

درکار تھا، جو رانیہ کی شکل میں نظر آرہا تھا۔
(یونہی نہیں آگے پیچھے پھرتی ہے کم بخت۔ خوب جانتی ہے کہاں، کس بندے کو کیسے پھنسانا ہے، بس آگے پیچھے گھوم کر بات بنالی، پھر ساری عمر کے مزے، یہ سر جھکائے کام میں مصروف رہنا، شرم و حیا کے مظاہرے، مزے دار کھانے، پتا تھا اس کو کیسے الو بنانا ہے، اور یہ بن گیا، یہ شریف زادیوں کے چھن ہیں؟)
تیمور خاموشی سے ماں کا چہرہ پڑھ رہا تھا، جو لب بھینچے زور و شور سے آلو کاٹے جارہی تھیں۔ مگر ماتھے کی تیوریوں میں ہر چیز لکھی تھی، پھر وہ بڑبڑائیں۔
"میں بھی بے وقوف، جوان جہان لڑکوں میں اسے کھلا چھوڑ کر خود لاپروا ہوگئی، آج ہی چلتا کرتی ہوں اس بڑی بی اور......"
"فار گاڈ سیک امی!" وہ جھنجلا کر کھڑا ہوا، اس کی ایک ایک حرکت سے اضطراب مترشح تھا۔ "میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے اور آپ ہیں کہ......" اس کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔
"دیکھو لڑکے! اگر اسے اس گھر میں بسانا ہے تو مجھے زہر دے دے۔" ذکیہ نے غصے سے چھری ٹوکری میں پٹخی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رانیہ کو آتے دیکھ کر لب بھینچ گیا۔ وہ اپنی ہی رو میں آگے بڑھتی آئی، لاپروا، انجان سا انداز۔
"لائیں چچی! ہانڈی بنالوں۔" اس نے تو معمول کے انداز میں ٹوکری اٹھانا چاہی، ذکیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، اور درشت لہجے میں بولیں۔
"رہنے دو، میں خود ہی بنالوں گی۔"
مارے خفت کے رانیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ تیمور تیزی سے پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ رانیہ بھی خود پر قابو پاتی کمرے میں چلی گئی۔
"دیکھ رہی ہوں اس کے تیور، ابھی سے ماں کو آنکھیں دکھا رہا ہے، اس چڑیل کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، مجھے تو یہ گھر سے ہی نکلوا دے گی، ہائے اللہ! میں کیا کروں۔"
وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر پھپک پھپک کر رونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

طویل دو رویہ درختوں کی قطار میں وہ دونوں ہم قدم تھے۔ ڈھلتی ہوئی خوشگوار شام، جس کے نارنجی پن میں سرمئی رنگ گھلنے لگا تھا۔
"اب کیا سوچنے لگے؟" باسط نے اپنے اور تیمور کے درمیان چھائی طویل خاموشی کو بے حد اکتا کر توڑا۔
"تم بتاؤ باسط! کیا میرا فیصلہ غلط تھا؟"
"نہیں، لڑکی تو ٹھیک ٹھاک تھی، پر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں، تجھے رانیہ سے اچھی لڑکیاں مل سکتی ہیں۔" وہ لاپروا انداز میں گویا ہوا۔
"باسط! میں جانتا ہوں، مگر میں نے اسے دیکھا ہے، اس کا سلیقہ، طریقہ، گھر کو سجانے کا شوق، بزرگوں کی خدمت کا جذبہ، وہ کم بولتی ہے، مگر اچھا بولتی ہے، اس نے چند جملوں میں اجو بھیا کو چت کر دیا اور وہ کہتے تھے۔ "تیمور! اس لڑکی کو جانے مت دینا، یہ اس گھر کو بنا دے گی۔ تم سب کو جوڑ کر رکھے گی۔" مگر یہ اتنی ساری خوبیاں امی کو نظر نہیں آرہیں۔"
"ہو سکتا ہے، وہ بہت پڑھی لکھی، اور امیر گھر کی لڑکی کو بہو بنانے کی خواہاں ہوں۔ رانیہ کی کم تعلیم ..."
"ایک بات بتاؤ، میں اور تم جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، وہاں بیویاں سوشل سرکل میں موو کرتی ہیں؟" تیمور ٹھہر گیا تھا۔
"نا۔"
"تمہاری ماں نے پیٹ کاٹ کر تمہیں ڈاکٹر بنایا ہے۔ تم نہیں چاہو گے کوئی ایسی لڑکی آئے کہ ان کا بڑھاپا سنور جائے؟"
"یار! اب تو چاہتا کیا ہے؟"
"باسط! میں نے اپنے گھر میں شروع سے ہی بہت ابتری دیکھی ہے۔ امی کی شادی چھوٹی عمر میں ہوئی تھی۔ وہ الہڑپن، ساری زندگی کے پھوہڑپن میں بدل گیا۔ وہ سلیقہ، وہ طریقہ، جو تمہارے اور طارق کے گھر میں دکھائی دیتا تھا۔ مجھے کبھی اپنے گھر میں دکھائی نہیں دیا۔ تمہاری امی ایک ہی وقت میں کئی چیزیں، جھٹ

پٹ بنا کر چائے کے ساتھ سرو کرتیں۔ طارق کی ممی نے بہت کچھ بنا کر فریز کر رکھا ہوتا اور ہمیں ہمیشہ بازار بھاگنا پڑتا' ابو اک طویل عرصے سے چائے کے ساتھ دو سلائس نگل کر آفس سدھارتے' اول تو امی کی صبح آنکھ ہی نہ کھلتی اور جو کبھی کھل جاتی تو ناشتا بناتے بناتے وہ وقت آجاتا کہ ابو آفس سے لیٹ ہوتے اور ہم اسکول و کالج سے' ہمارے یونیفارم مڑے تڑے واشنگ مشین میں پڑے ہوتے اور بعض اوقات یونہی ان پر استری پھیر کر ہمیں تھما دیا جاتا۔ یار! میں نے بہت بچپن میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میری بیوی میں اور کچھ ہو نہ ہو سگھڑاپا ضرور ہو گا۔"

"یا... بڑے اونچے عزائم تھے۔ لوگ بچپن میں ڈاکٹر' انجینئر بننے کے خواب دیکھتے ہیں' یہ سگھڑ بیوی کے خواب دیکھ رہا تھا۔"

"بکواس بند کر۔" تیمور کے پنچ نے اس کے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا۔

"یار! میری جان کیوں کھا رہے ہو' انکل سے بات کرو۔"

"کر چکا ہوں۔" تیمور نے اک جھکی ہوئی شاخ نوچ ڈالی' اسے شبیر احمد کا رویہ یاد آیا۔ وہ کچھ لمحے حیرت سے اس کی شکل دیکھتے رہے' پھر مبہم سا مسکرائے۔

"ہاں! وہ اچھی لڑکی ہے' میری بھتیجی ہے' پر اب اسے بھول جاؤ۔"

تیمور کو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی اک معقول سی بات کے جواب میں سب کا ردِعمل ایسا کیوں ہے؟ شبیر احمد اس کی نگاہوں میں پنہاں سوال پڑھ گئے۔

"اپنی ماں کی مرضی کے خلاف اسے لاؤ گے تو اس گھر میں کبھی سکون نہیں ہو گا۔ تمہیں چاہیے تھا رانیہ کے جانے کے بعد مجھ سے بات کرتے' میں کسی طریقے سے رشتہ کروا دیتا' بیچ میں تم آتے ہی نا' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

گویا تیمور کی پسندیدگی اس کا جرم بن گئی۔ بہت سے سوال بمشکل دلائل مگر باپ نے خاموش کروا دیا۔

"میں اس گھر میں اک طویل جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا' نبیلہ بھی اچھی بچی ہے' بس تمہاری ماں کی بھانجی ہے۔ اور کچھ اسی کی خصوصیات کی حامل۔"

"یار! کتنی عجیب بات ہے' یہ والدین اپنے بچے کی پسند کی ہر چیز دلاتے ہیں' کپڑے' جوتے' کھانا' کتابیں اور جہاں بات پسند کی لڑکی کی آتی ہے' وہیں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں' اجنبی بن جاتے ہیں' صرف اس خوف سے کہ یہ لڑکی ان کے بیٹے کو لے اڑے گی' ہمیں پس پشت ڈال دے گی' اس بات کی کیا گارنٹی کہ دوسری لڑکی یہ سب نہیں کرے گی۔"

"یہ سب سطحی باتیں ہیں۔" باسط نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "جہاں یہ سب ہوتا ہے' وہاں لڑکی میں نہیں بلکہ لڑکے میں ہوتی ہے' اچھا ایک بات بتا تیمور! دنیا میں ایک رانیہ ہی تو سگھڑ اور سلیقہ مند لڑکی نہیں۔"

باسط کا لہجہ معنی خیز تھا۔ تیمور نے کچھ لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

"تم نے کبھی دسمبر کی راتوں پر محیط چاندنی کو دیکھا ہے۔ تاریکی کو چیرتی' خوشگوار' اجلی' معطر اور کنواری ان چھوئی' وہ ایسی ہی لگتی ہے۔"

باسط دم بخود سا اسے دیکھے گیا۔



"کیا بات ہے رانی! بہت چپ چپ ہے؟"

وہ کب سے کھڑکی میں کھڑی باہر خالی صحن کو دیکھے جا رہی تھی۔ بڑی اماں سے رہا نہ گیا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی بند کر دی۔

"آج گھر کے کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" انہوں نے مشکوک نگاہوں سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچے۔

"دل نہیں چاہ رہا۔" وہ حد درجہ بےزار تھی۔ "بڑی اماں! واپس چلیں' جب ڈاکٹر کہے گا ہم چیک اپ کے لیے آجائیں گے۔"

"ہاں چلے چلیں گے' اب اس بڑھاپے میں روز

روز دیگنوں کے دھکے نہیں کھائے جاتے۔"
ان کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔ نبیلہ کی باتیں، چچی کا رویہ، وہ کچھ سوچ اور سمجھ رہی تھی، پھر رفیعہ بھی جب تک رہیں، رانیہ کو ان کی ٹٹولتی نگاہوں سے الجھن ہی ہوتی رہی، مگر اب چھٹی حس کہتی تھی، رانیہ بی بی! یہاں سے چلنے کی تیاری کرو، ورنہ بات کردار تک آجائے گی۔
"تمہارا دل نہیں لگ رہا، نبیلہ بھی تو چلی گئی۔"
انہوں نے پیار سے پوتی کو دیکھا، وہ اس کے مستقبل کے بارے میں بہت پرامید تھیں، اب تو سوچ لیا تھا، شبیر احمد سے اشارے کنایے میں خود ہی بات کریں گی۔
"اب کدھر؟"
"ابا کو فون کرنا ہے؟" وہ مزید کوئی بھی بات سنے بغیر باہر نکل گئی۔
فون فارغ نہ تھا۔ ذکیہ چچی مصروف تھیں۔ وہ ان کی پشت کی طرف کھڑی انتظار کرنے لگی۔
"ہاں، ہاں، تم سچ کہتی ہو، وہ میرے ہی لڑکے کو پھانسنے کے چکروں میں ہے۔"
"یا اللہ! یہ لڑکے کی ماؤں کو کیسی کیسی خوش فہمیاں لاحق ہوتی ہیں، اب نہ جانے کس کی بات ہو رہی ہے۔" رانیہ نے استہزائیہ انداز میں سوچا۔
"تم فکر نہ کرو، میں اور شبیر احمد کچھ دنوں تک آئیں گے، تم سے نبیلہ کی بات کرنے، تیمور کی کیا جرأت۔"
"رہنے دو، اس دادی، پوتی کو تو میں آج ہی چلتا کروں گی، بہت تماشے دیکھ لیے، میری نظروں کے سامنے سارے کھیل ہوتے رہے اور میں ہی انجان رہی۔"
رانیہ کو لگا وہ آسمان سے زمین پر پٹخی گئی ہے۔
"ساری زندگی گاؤں میں اپلے تھوپ کر شہر میں بسنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ میں کیا پاگل ہوں۔ جو اپنے ایسے شان دار بیٹے کے لیے کوڑا کرکٹ اکٹھا کرلوں۔"
مزید کچھ بھی سننے کی تاب نہ تھی۔ وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے تک آئی۔
"کیا ہوا؟" بڑی اماں اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئیں، کانپتا جسم، زرد رنگت، وہ ان کی گود میں سر رکھ کر پھپک پھپک کر رو دی۔
"رانی، رانو! کیا ہوا؟"
"واپس چلیں، بڑی اماں، آج ابھی...!"
"کسی نے کچھ کہہ دیا۔"
"بس تیاری کریں؟" وہ بے دردی سے چہرہ رگڑتی اٹھی، اور الماری کے اندر سے اپنا بیگ نکال کر تیزی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ جب ذکیہ آئیں، وہ سامان سمیٹ کر زپ لگا رہی تھی۔ ان کی طرف سے رخ موڑ لیا۔
"کیا ہوا؟" انہوں نے تحیر سے منظر دیکھا۔
"کچھ نہیں، واپسی کی ضد کر رہی ہے۔"
"اچھا، اچھا۔" ان کی خوشی چھپائے نہ چھپی، سانپ بھی مر گیا، لاٹھی بھی نہ ٹوٹی، منہ سے کچھ بھی نہ کہنا پڑا۔
"ہاں بڑے دن رہ لیا۔" بڑی اماں کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔
"آپ اور رانیہ کے دم سے کتنی رونق ہو گئی۔ رانیہ نے تو میرا سارا بوجھ ہی اٹھا لیا تھا۔ اب پھر سے وہی تنہائی۔" انہوں نے چہرے اور لہجے میں زبردستی اداسی سمونے کی کوشش کی۔
"ہاں تو بہو لے آؤ، ساری تنہائی دور ہو جائے گی۔" بڑی اماں پھر سے پُرجوش ہوئیں۔ رانیہ نچلا لب چبانے لگی۔
"اب یہ ہی کروں گی۔"
"دیکھی کوئی لڑکی؟" انہوں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔
"بڑی اماں! شام گہری ہو جائے گی، ہمیں ابھی نکلنا چاہیے۔" رانیہ نے تیزی سے ان کی بات قطع کی۔
"پاؤں میں پہیے لگے ہیں؟ شبیر احمد سے مل کر ہی جاؤں گی۔" انہوں نے بری طرح گھورا۔
"آپ کو نبیلہ کیسی لگی؟ مجھے تو بہت پسند ہے، پھر

ہم دونوں بہنوں کی بہت پہلے سے خواہش تھی۔"

بڑی اماں نے حیرت سے ذکیہ کی شکل دیکھی۔ جو نبیلہ کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس جہیز کی تفصیل بتانے لگیں جو نبیلہ ان کے گھر لانے والی تھی۔

بڑی اماں نے آہستگی سے سر اٹھا کر رانیہ کو دیکھا۔

"ہاں اچھی ہے' اللہ مبارک کرے' رانیہ تم ٹھیک کہتی ہو' شام گہری ہو جائے گی۔ ہمیں ابھی نکلنا چاہیے۔"

ذکیہ نے رسمی طور پر انہیں روکا اور ان کے جانے کے بعد ہاتھ جھاڑ کر بولیں۔

"خس کم جہاں پاک۔" اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

* * *

تیمور خاصی دیر سے واپس لوٹا تھا۔ پورے گھر میں خاموشی تھی۔ بس کچن میں کچھ کھٹ پٹ کی آوازیں تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر کچن کی طرف آگیا۔ وہاں اسفر شاپر سے نان اور کباب نکال رہا تھا۔

"خیریت' آج کھانا گھر میں نہیں بنا؟" اسفر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پلیٹیں نکالنے لگا۔

"گھر میں بہت خاموشی ہے۔" تیمور نے کھیرے کا قتلہ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"ہوں۔۔۔ مہمان جو چلے گئے۔"

"کون چلا گیا؟" تیمور نے ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"رانیہ اور بڑی اماں۔ کھانا کھائیں گے؟" وہ نارمل سے انداز میں پلیٹیں اٹھا کر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

"نہیں۔" تیمور کا لہجہ بجھ سا گیا۔

"نہیں تو جانا ہی تھا' یہ تو وقتی عیش تھے' اب پھر سے ہوٹلنگ کے لیے تیار ہو جائیے۔"

"ہوں۔" وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔

خاموشی' جو اس کے وجود کے ساتھ ساتھ دل اور روح پر بھی چھا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ویگن ابھی آدھی بھری تھی۔ ارد گرد بے حد شور تھا۔۔۔ اک چھوٹا سا بچہ روغنی نان بیچ رہا تھا۔۔۔ اک لمبا لڑکا جوس اور نمکو کے پیکٹ لیے بھاگ رہا تھا۔ سفید ٹوپی اور سبز صافے والا مسجد کے لیے چندہ مانگ رہا تھا۔۔۔۔ دو تین فقیرنیاں۔۔۔۔ ویگن میں گھسی آرہی تھیں۔۔۔۔ اور ہر عورت سے سر کے سائیں کا صدقہ مانگ رہی تھیں۔۔۔۔ کچے کٹے ہوئے ناریل بیچنے والے کی آواز سب پر حاوی تھی۔۔۔۔ کچی گری' میٹھی گری

وہ ہر طرف سے بے نیاز سر جھکائے گود میں دھرے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

بڑی اماں بالکل خاموش تھیں اور ان کا چھاتا یوں ان کے پہلو میں پڑا تھا جیسے کوئی شریر بچہ مناسب توجہ نہ پا کر روٹھ جائے۔

وہ چپ تھیں تو رانیہ کی وجہ سے کہ اندر ہی اندر تو خوب تلملا رہی تھیں۔

"ستیاناس۔۔۔۔ کیسی کوڑھ مغز نکلی یہ ذکیہ۔۔۔ شروع سے ہی عقل سے خالی ہے۔۔۔ اللہ نے خالی گھڑا سر پہ دھرا ہے۔۔۔۔ ورنہ یوں ہیرا ہاتھ سے گنواتی۔۔۔ ہے کیا اس رفیعہ کی لڑکی میں۔۔۔ گو نگلو۔۔۔۔ گیلا پھوس۔۔۔ (گوبر)۔۔۔ اللہ کرے چار دن میں تارے دکھا دے۔۔۔ ایسی ہڈ حرام ہو کہ خود ذکیہ کو اٹھ کر پانی پلانا پڑے۔۔۔ چوٹی سے پکڑ گھر سے باہر نکالے۔۔۔ ایسا خوند (خاوند) کو قابو کرے۔۔۔" اور خوند کے ساتھ ہی انہیں تیمور یاد آگیا۔ کیسا شاندار تھا۔ ہمیشہ تصور میں لے رانیہ کے برابر دیکھا۔۔۔

"ہک ہا۔۔۔" اک سرد سی آہ لبوں سے خارج ہوئی۔۔۔ اور بے چینی سے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔۔۔

"یہ رانی اتنی چپ کیوں ہے۔ جانے کیا سوچ رہی ہے۔۔۔؟ کہیں یہ بھی تیمور کو۔۔۔"

ان کی نظروں کا ارتکاز تھا یا رانیہ یونہی سر اٹھا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔۔۔ ویگن بھر کر چلنے کو تیار تھی۔۔۔ ارد گرد کی بھیڑ دوسری ویگن کی طرف شہد کی مکھیوں کی طرح لپکی۔۔۔

"رانی! ایسے چپ کیوں ہے؟"

"کچھ نہیں اماں!" اس کے لب ہلے۔۔۔ پھر دوپٹہ ماتھے تک کھینچ لیا اب بڑی اماں سے کیا کہتی۔۔۔ وہ دادی تھیں۔۔۔ اپنے اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں۔۔۔ اس کا بھلا سوچتی تھیں مگر رانیہ۔۔۔ رانیہ کیا سوچتی تھی؟

"ایک عزتِ نفس ہی تو تھی۔۔۔ وہ بھی لیرو لیر ہوئی میں نے کب امیدیں لگائی تھیں۔ میں نے کہاں۔۔۔ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں کیں۔۔۔ ان کے گھر میں رہتی تھی ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنا اچھا نہیں لگا۔ شبیر چچا نے بڑی اماں کے علاج کے لیے ایک روپیہ بھی ان سے نہیں لیا۔ میں تو ان کا احسان چکا رہی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی۔ چچی یہ سوچ رہی ہیں۔۔۔ میں نے تو کبھی تیمور بھائی سے ڈھنگ سے بات تک نہیں۔۔۔ اور اب۔۔۔ کاش ہم کچھ دن پہلے لوٹ آئے ہوتے۔ تیمور کا رشتہ طے ہونے کی خبر ملنے سے پہلے۔۔۔ اب چچی تو یہی سمجھتی ہوں گی کہ میں یہ خبر سننے کے بعد۔"

اس نے چہرہ جھکا لیا۔۔۔ اور ویگن ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔



جس دن تیمور کی بارات گئی۔۔۔ اس دن نبیلہ اور تیمور کے نکاح سے قبل اعجاز اور ان کی پڑوسن مریم کا نکاح ہوا۔۔۔ انہوں نے اپنے گھر کا اوپر والا پورشن خالی کروالیا تھا۔۔۔ موقع ایسا تھا کہ رفیعہ صرف تلملانے کا کام کر سکیں۔۔۔ ذکیہ کیونکہ اعجاز سے کوئی براہ راست فائدہ نہ اٹھاتی تھیں۔۔۔ سو بھائی کو مبارکباد دی اور ڈھیروں جہیز کے ساتھ نبیلہ کو بیاہ لائیں۔۔۔ ولیمہ کے فوراً بعد تیمور اور نبیلہ سیر و تفریح کے لیے روانہ ہوگئے۔۔۔ پیچھے ذکیہ گھر سیٹ کرواتی مسرور سی پھرتیں اور بار بار وہ سونے کا سیٹ نکال کر دیکھتی رہیں جو نبیلہ کی ساس کی حیثیت سے انہیں "تحفتاً" دیا گیا تھا۔

"لو رانیہ کو بیاہ کر لاتی تو ایک چھلا بھی ہاتھ نہ آتا۔"

دونوں واپس آئے تو نبیلہ کی ہنسی نہ رکتی تھی۔۔۔

تیمور بھی بظاہر مطمئن ہی دکھائی دیتا تھا کہ اس نے کبھی بھی اپنی خوشی یا غم کا اظہار کھل کر نہ کیا تھا۔۔۔ ذکیہ مطمئن ہوگئیں۔۔۔ خیال تھا کہ اب سارا گھر نبیلہ کے سپرد کر کے خود بے فکر ہو جائیں گی۔۔۔ اگلے دو دن نبیلہ تھکن اتارنے کو کمرے میں بند رہی۔۔۔ پھر رفیعہ اسے لینے آگئیں۔

"وہ کبھی اتنے دن مجھ سے دور نہیں رہی۔۔۔ اداس ہو گئی ہے۔۔۔ ہفتہ بھر پاس رکھوں گی۔۔۔ کیوں تیمور؟"

"امی سے پوچھیں۔۔۔؟" وہ کنی کترا گیا۔۔۔ اب امی کیا کہتیں۔۔۔ نئی نئی رشتے داری بدلی تھی۔۔۔ بہن سمدھن بن گئی تھی۔۔۔ سو اجازت دیتے ہی بنی۔۔۔ اگلے ہفتہ بھر محلے والوں کے سوالوں کا جواب ہی دیتی رہیں۔۔۔ جو دلہن دیکھنے آتے تھے۔



ان کی آنکھ کھٹ پٹ کی آواز سے کھلی۔۔۔ شاید کوئی برتن گرا تھا۔ انہوں نے ہڑبڑا کر دیکھا شبیر احمد مزے سے خراٹے لے رہے تھے۔

"ہیں۔۔۔ کچن کا دروازہ کہیں کھلا تو نہیں رہ گیا۔"

الٹا سیدھا جوتا پہن جہاں تک ہوسکا تیزی سے کچن کے دروازے تک پہنچیں۔۔۔ وہاں تیمور کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں وہ اپنے لیے چائے بنا رہا تھا۔۔۔

"بے وقوف لڑکی۔۔!" وہ چپکے سے پلٹیں اور خواب خرگوش کے مزے لیتی نبیلہ کو جھنجوڑ دیا۔

"کیا ہے خالہ! سونے دو نا۔"

"اٹھ کر تیمور کا ناشتہ بناؤ۔۔۔ وہ آفس جا رہا ہے۔"

"پہلی بار جا رہا ہے۔۔۔ پہلے بھی تو وہ خود ہی ناشتہ بنایا کرتا تھا۔" وہ کتنی منہ پھٹ تھی۔۔۔ اس کا اندازہ ذکیہ کو اسی پل ہوا۔

"جب تک رانیہ رہی۔۔۔"

"خالہ!" وہ تلملا کر اٹھی "رانیہ چلی گئی۔۔۔ میری تیمور کے ساتھ شادی بھی ہو گئی۔۔۔ اب جو روٹین پہلے تھی۔۔۔ وہی رہنے دیں۔"

خالہ کو ہکا بکا چھوڑ کر خود کمبل اوڑھ لیا۔

"اس کی عقل کو کیا ہوا؟" وہ متحیر سی پلٹیں تو تیمور ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا۔ دو سلائس' کچا پکا انڈا ۔۔۔ ایک چائے کا مگ ۔۔۔ انہیں بیٹے پر ہی غصہ آنے لگا۔ وہ بیوی کو اٹھا نہیں سکتا تھا۔

"اٹھایا تھا ۔۔۔ اٹھی نہیں۔" وہ ان کی نگاہوں کا سوال پڑھ چکا تھا۔

"تو اس کے لیے بھی بنا لاتے۔" ذکیہ نے تلملا کر کہا۔

"سختی کروں گا تو آپ ہی خفا ہوں گی کہ میری بھانجی ہے۔" وہ اطمینان سے کہہ کر سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ ذکیہ بہت دیر تک تلملاتی رہیں ۔۔۔ تیمور آفس چلا گیا ۔۔۔ انہوں نے شبیر احمد' اسفر اور نبیل کا ناشتہ بنایا۔

"ہمارا خیال تھا آج بھابھی کے ہاتھ کا ناشتہ نصیب ہو گا۔" نبیل نے کہا تو وہ دل ہی دل میں بڑبڑائیں۔

"اس کے تو شوہر کو نصیب نہ ہوا۔"

نبیلہ جس وقت اٹھی۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ نوکرانی کام کر رہی تھی اور ذکیہ بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔

"خالہ! ناشتے میں کیا ہے؟" اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر زوردار انگڑائی لی۔

"کچن میں سب ہی کچھ ہے۔ جو دل چاہتا ہے بنا لو۔" ذکیہ نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔ وہ دھپ سے ان کے قریب بیٹھی۔

"خالہ! ناراض ہو؟"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔ تمہارے فائدے کے لیے اٹھانے گئی تھی۔ نہیں تو نہ سہی۔ شوہر کا دل خدمت گزاری سے مٹھی میں آتا ہے۔"

"مگر خالو تو بنا خدمت کے مٹھی میں آ گئے۔"

"دفع ہو۔" ذکیہ نے غصے سے کہا تو نبیلہ نے ہنستے ہوئے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"مذاق کر رہی ہوں خالہ! اچھا اب اس رجو کو بھیج کر حلوہ پوری تو منگوا دیں۔ سچ بہت دل چاہ رہا ہے۔"

"چٹوری۔"

☆ ☆ ☆

زندگی تقدیر اور انسانی فیصلوں کے تال میل کا نام ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا اس کے فیصلے کے نتیجے میں تقدیر جو پیالہ پیش کر رہی ہے۔ اس میں امرت ہے یا زہر۔

"یہ چائے ہے؟"

"آپ کو لسی نظر آتی ہے؟" وہ بدلحاظی سے کہہ کر کمرے میں گھس گئی۔ ذکیہ نے پیالی پٹخ دی۔ شبیر احمد نے اخبار سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"خیریت' بہو کا مزاج برہم ہے۔"

"کب نہیں ہوتا۔ جب کام کرنا پڑے' موت آتی ہے۔" وہ بھنا کر بولیں۔

"آگے آگے دیکھے ہوتا ہے کیا۔"

اور جو ہو رہا تھا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ نبیلہ اچھی تھی بس ذرا کام چور تھی' اسے گھومنے پھرنے' بننے سنورنے اور ہوٹلنگ کا شوق تھا۔ تیمور کسی حد تک اس کے شوق پورے کرتا۔ پھر بھی کبھی کبھی جھنجلا جاتا ۔۔۔ جس دن کپڑے دھونا ہوتے۔ اس دن نبیلہ کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہوتا۔

"نبیلہ! سبزی لا دو۔ میں بنا دوں۔" ذکیہ کی زیادہ کوشش یہی ہوتی کہ گھر کا سکون بحال رہے۔ خاص طور پر چھٹی کے دن۔ اس لیے حتی الامکان اس کی مدد کرتی رہتیں۔

"اب کھانا بھی میں بناؤں؟" اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر دہائی دی۔

"کون سے پہاڑ توڑنے ہیں۔ ایک سبزی ہی تو بنانی ہے۔"

"ابھی جو دھوبی گھاٹ کھلا ہے۔ اس سے تو نپٹ لوں۔" نبیلہ تڑخ کر بولی۔

"چار جی ہیں گھر میں۔ اب ان کے کپڑے بھی نہیں دھلتے۔"

"بس کرو تم دونوں۔" شبیر احمد جھنجلا کر کھڑے ہوئے۔ "دستر خوان دو' بازار سے روٹیاں اور سالن

لے آتا ہوں۔"

ذکیہ کا خیال تھا۔ نبیلہ، خالو کے سامنے ہی کچھ حیا کرے گی۔ مگر اس نے ڈھٹائی سے دستر خوان اور ڈونگا لا کر انہیں تھما دیا اور اسی ڈھٹائی سے فرمائش بھی کر ڈالی۔

"خالو جی! کباب بھی لائیے گا۔ رائتہ اور سلاد بھی۔"

ذکیہ نے دل ہی دل میں جتنی گالیاں تھیں سب بھانجی پلس بہو کو دیں۔ رانیہ بے طرح یاد آئی۔ جتنے دن وہ رہی۔ ایک دن بھی کھانا رائتے اور سلاد کے بغیر نہ تھا۔ بازار سے روٹیاں لانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

"اچھا خیر بعد میں ساری ایسی ہی ہو جاتی ہیں۔ اس نے کون سا چارپائی پر بٹھا کر کھلانا تھا۔" ذکیہ نے تنفر کے ساتھ سوچا۔ مگر دل اپنی ہی کہی بات سے منکر تھا۔



"اللہ جانے کہاں جا مری ہے۔ گھنٹے بھر سے آوازیں دے رہی ہوں۔ اتنا بھی نہیں کہ آ کر دو گھونٹ پانی ہی پلا دے۔ نبیلہ او نبیلہ!"

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ذکیہ، نبیلہ سے زچ ہونے لگیں۔ تیمور یوں چپ تھا کہ ساس بہو کے تعلقات میں نرمی گرمی چلتی رہتی۔ کبھی باہم شیر و شکر ہو جاتیں۔ کبھی ایک دوسرے کے خلاف بڑبڑاتی پھرتیں۔

"خود ہی اٹھنا پڑے گا۔" کل سے گھٹنوں کا درد شدت اختیار کر چکا تھا۔ سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی ان کا مسئلہ بڑھ جاتا۔ اب بھی انہیں پانی پینا تھا۔ اسفر ہمیشہ ان کے کمرے میں پانی وغیرہ رکھ جاتا تھا۔ آج نجانے کیسے بھول گیا۔ وہ ہائے وائے کرتے اٹھیں۔ لاؤنج میں لڑکوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ وہ دیوار کا سہارا لیتی کچن کے دروازے تک آئیں۔ مگر رک گئیں۔ چولہے پر غالباً" چائے کے لیے پانی رکھا تھا۔ اور خود موبائل فون کان سے لگائے نبیلہ زور و شور سے دکھڑے سنا رہی تھی۔ غالباً" اسے قوی یقین تھا۔ اس وقت کچن میں کوئی نہیں آئے گا۔

"نوکرانی بن کر رہ گئی ہوں۔ کھانا بھی میں بناؤں۔ کپڑے بھی میں دھوؤں۔ استری بھی کروں۔ ایک نوکرانی آتی ہے صفائی کے لیے۔ برتن تک خود دھونے پڑتے ہیں۔ خالہ! خود تو ساری عمر بل کر نہ دیں۔ اب مجھ سے توقع کرتی ہیں کہ سارا کام کروں۔ بازار سے روٹی بھی منگوالوں تو بڑی بی کو غصہ آجاتا ہے۔ امی! مجھے بلا لو۔ ایک دو ماہ تو سکون سے گزار لوں۔"

ذکیہ کا دل چاہا۔ یہیں چٹیا سے پکڑ کر گھما ڈالیں۔ لیکن ایک تو اس کی چٹیا نہیں رہی تھی کہ شادی کے بعد پہلا کام بال کٹوانے کا کیا تھا۔ دوسرے وہ ہنگامہ کیسے کرتیں کہ یہ فیصلہ تو ان کا اپنا تھا۔ بنا آہٹ کیے۔ غصے کے ابال کو دباتی آ کر بستر پر دراز ہو گئیں۔ پھر غصہ بڑبڑاہٹ میں ڈھل گیا۔

"اپنے گھر میں کیا پلنگ توڑتی رہی ہے۔ کمینی، زبان دراز! ماں نے یہی کچھ سکھا کر بھیجا ہے۔ ایسی ہی لاڈو تھی تو نوکرانی ساتھ بھیج دیتی۔ ساری عمر اعجاز کے پیسے پر عیش کرتی رہیں۔ ورنہ اپنا باپ تو دو ٹکے کمانے جوگا نہ تھا۔ اچھا کیا جو اجو نے اپنا گھر بسا لیا۔ وہ مریم سب کو ٹھکانے پر رکھتی ہے۔ ورنہ میرے بھائی کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا گئیں۔ آپا اور اس کی اولاد۔"

"امی! کس سے لڑ رہی ہیں؟"

اسفر کے ہاتھ میں پانی کی بوتل اور گلاس تھا۔ دو گلاس پانی پی کر تب جا کر کچھ سکون ہوا۔

"نبیلہ پر غصہ نکال رہی تھیں؟"

"ہاں۔ وہی تو ہے۔ جی کا جنجال۔ کام کی نہ کاج کی۔"

"وہ تو شروع ہی سے ایسی ہیں۔ کہا تو تھا آپ کو۔" لاپروائی سے بولا تو وہ چپ سی کر گئیں۔ دل ہی دل میں سوچا۔

"ہاں کہا تو تھا۔ پھر بھی دھوکا کھا گئی۔"

"اچھا! آپ فکر نہ کریں۔ جس لڑکی سے میں

شادی کروں گا۔ وہ بہت سگھڑ ہوگی۔ آپ کی بہت خدمت کرے گی۔" وہ بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگا تو ذکیہ مسکرا دیں۔

"ہاں، تمہاری بیوی بہت دیکھ بھال کرلاؤں گی۔"

"تو بھائی کے ساتھ دشمنی کیوں کی؟" وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر ماں کو پریشان دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

دو دن کے بعد نبیلہ کا بھائی اسے لینے آگیا کہ "امی کی طبیعت ٹھیک نہیں نبیلہ کو یاد کررہی ہیں۔" اور جتنا بڑا بیگ نبیلہ لے کر گئی ذکیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دو ماہ سے قبل آنے والی نہیں ہے۔

انہیں دنوں گاؤں سے رافیہ کی شادی کا بلاوا آگیا۔ دل میں اک کسک سی اٹھی۔ ان کے گھٹنوں میں اتنی تکلیف تھی کہ وہ جا ہی نہ سکیں۔ تیمور کو باسط کی بارات کے ساتھ جانا تھا۔ اسفر کے ایگزام چل رہے تھے۔ سو شبیر احمد اکیلے ہی شریک ہوئے۔



"یہ کیا کل کا سالن؟" پلیٹ میں جھانکتے ہی تیمور کی تیوری چڑھ گئی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے سالن نہیں بنایا۔" نبیلہ نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔ جواباً تیمور نے ٹرے کو زور سے پرے دھکیلا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ہونہہ نخرے۔" وہ ٹرے اٹھانے کو جھکی تو ذکیہ ٹوک بیٹھیں۔

"پتا تو ہے اس کے مزاج کا۔"

"اچھے بھلے مزاج تھے۔ یہ مجھ سے شادی کے بعد ہی پتنگے لگے ہیں۔ بے دام کی غلام جو مل گئی ہے۔"

اس نے ٹرے واپس پٹخی۔ ذکیہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ مگر ماحول مزید خراب نہ ہو اس لیے رک گئیں۔ پہلے ہی وہ ڈیڑھ ماہ کے بعد گھر آئی تھی۔ کہا تو بس اتنا۔

"کچھ کباب وغیرہ بنا کر فریز کرلیا کرو تو ایسے وقت کام آجائیں۔"

"ہاں۔ سارا دن چولہا چوکی کرتی رہوں۔" وہ بڑبڑائی۔ جواباً وہ بھی بڑبڑائیں۔

"میرا بچہ! بھوکا نجانے کہاں چلا گیا۔"

"بچہ بازار سے کچھ ٹھونس لے گا۔ بھوکا نہیں رہے گا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسفر سے کہیے گا چائے بنائے تو مجھے بھی دے جائے۔"

"ہاں۔ وہ تو تیرا نوکر لگا ہے۔" وہ اس کے جانے کے بعد بڑبڑاتی رہیں۔ اسفر نے چائے بنا کر سب کو دی۔ تیمور رات گئے واپس آیا۔ وہ اس کے انتظار میں برآمدے میں بیٹھی تھیں۔

"آپ کیوں اتنی سردی میں یہاں بیٹھی ہیں؟"

تمہاری بیوی جو لمبی تان کر سو گئی۔ دروازہ کون کھولتا۔"

"میرے پاس چابی تھی۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"کھانا دوں؟"

"نہیں۔ باسط کے ساتھ کھالیا تھا۔" وہ آہستگی سے کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔ اور یہ پہلی بار نہ تھا۔ اکثر ایسی کسی بھی سچویشن کے بعد وہ کھانا اسی کے گھر کھاتا۔ سنا تھا اس کی بیوی بہت سلیقہ شعار تھی۔ سارے گھر کو سنبھال رکھا تھا۔ تیمور اس کے ہاتھ کے بنے کچے قیمے کے کبابوں کی بہت تعریف کرتا اور جس دن تعریف کرتا۔ نبیلہ کا سارا دن بڑبڑاتے گزرتا۔

اگلی صبح نبیلہ کی طبیعت اور مزاج دونوں پہلے سے زیادہ خراب تھے۔ ذکیہ کو شک سا گزرا تو لے کر لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئیں۔ واپسی پر نبیلہ مسکرا رہی تھی تو ذکیہ ہواؤں میں اڑ رہی تھیں۔ وہ دادی بننے جا رہی تھیں۔ پہلے بیٹے کی پہلی اولاد۔ وہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں۔ اسفر اور نبیل کو بھی بتایا۔ اسفر نے باقاعدہ بھنگڑا ڈالا۔

تیمور نے پہلے سے زیادہ نبیلہ کا خیال رکھنا شروع کردیا اور نبیلہ... وہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہو گئی تھی۔ جو تھوڑا بہت کام کو ہاتھ لگا لیتی تھی۔ اب اس سے بھی گئی۔ کپڑے دھونے اور برتنوں کے لیے نوکرانی کو زیادہ پیسے دینے لگی۔ ناشتہ سب اپنا اپنا بناتے۔

دوپہر کا کھانا ذکیہ بناتیں۔ تو رات کا نبیلہ۔ جو اکثر ہی بازار سے آنے لگا۔ شبیر احمد اور ذکیہ کو اب بازار کے کھانے سوٹ نہیں کرتے تھے۔ ذکیہ کو اپنے اور میاں کے لیے گھر میں روٹی بنانا پڑتی تو دل ہی دل میں خوب بڑبڑاتیں۔

"سوچا تھا۔ بہو آئے گی تو کچھ آرام نصیب ہو گا۔ ابھی تک اپنی ہی ہڈیاں گھسنی پڑتی ہیں۔"



پہلی شرٹ اٹھائی تو بٹن غائب۔ دوسری نکالی تو کف میلے۔ اور باقی سب کچھا مچھا الماری میں ٹھنسی تھیں۔ اس نے ایک نظر ٹی وی دیکھتی بیوی پر ڈالی پھر کچھ سخت سست کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے شرٹ اس کی طرف پھینکی۔

"اس کے بٹن لگا دو۔" خود تولیہ اٹھا کر واش روم میں گھس گیا۔ نبیلہ نے سارا کمرہ دیکھ لیا۔ سفید نلکی اور اس میں اٹکائی سوئی نہ ملی۔ ذکیہ سے پوچھا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"کیا کروں، موصوف کو برسنے کا موقع مل جائے گا۔" نبیلہ کے ہاتھ پیر پھولے غلطی تو اپنی تھی۔ کیوں نہ نلکی سلائی والے ڈبے میں سنبھال کر رکھی۔

لگا دیا۔" تیمور تولیے سے چہرہ صاف کرتا قریب آیا۔

"نہیں۔ وہ سفید دھاگا..."

تیمور نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ اس کے ہاتھ سے شرٹ جھپٹی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"ہونہہ! اب جائیں گے اپنے لنگوٹیا یار کے گھر۔ اور واپسی پر اس کی بیوی کے سگھڑاپے کے گن گا کر میرے کان کھائیں گے۔ ان عورتوں کو تو جیسے اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ سارا دن کچن میں گھسی رنگ برنگے کھانے پکا پکا اور ان جیسوں کو کھلا کھلا کر دوسرے کے گھروں میں فساد ڈلواتی ہیں۔ لو۔ آدھا ڈراما تو اس نلکی کے چکروں میں ہی نکل گیا۔"

وہ دوبارہ سے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔ مجبوراً ذکیہ کو یاد دہانی کرانا پڑی کہ ابھی رات کا کھانا پکانا ہے۔

"خالہ! آلو مٹر پڑے ہیں۔ اسفر' نبیل تو رات کا کھانا گھر پر کھاتے ہی نہیں۔" واہ رے معصومیت اور لاپروائی۔ وہ عش عش کر اٹھیں۔

(ارے بی بی! تم گھر میں پکاؤ تو ہی کھائیں۔ غریب کوئی برگر سے پیٹ بھر لیتا ہے تو کوئی نان سے)

"اور تیمور!" وہ ضبط سے پوچھنے لگیں۔

"فکر نہ کریں۔ وہ اب کھانا کھا کر ہی آئیں گے۔ اور واپسی پر کچے قیمے کے کباب بنانے کی ترکیب لکھوا کر لائیں گے۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"ظاہر ہے مرد کو گھر میں سکون نہ ملے تو وہ باہر ہی جائے گا۔" ذکیہ اک سرد آہ بھر کر بولیں۔

"تو ٹھیک ہے وہیں رہیں۔ جہاں سکون ملتا ہے۔ نبیل اپنے لیے برگر لینے گیا تو میرے لیے بھی منگوا دیجیے گا۔"

(اللہ کرے۔ تجھے تو معدے کا السر ہو جائے۔)

انہیں اندازہ ہو گیا تھا اپنے اور میاں کے لیے روٹی خود ہی بنانا ہو گی۔

(کاش! تو میری بھانجی نہ ہوتی۔ یا میں نے اپنے پیروں پر یہ کلہاڑی نہ ماری ہوتی۔ اب کس سے کہوں کہ فیصلہ تو مجھ اکیلی کا تھا)



اب قصور کس کا تھا کہ گھر میں داخل ہوتے ہی تیمور کی نظر کچرے کی ابلتی ٹوکری پر پڑ گئی جس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ وہ پڑی بھی عین دروازے کے پاس تھی کہ ہر آنے والے کا ٹاکرا سب سے پہلے اس بدنما پلاسٹک کی ٹوکری سے ہوتا۔ ابھی ابھی جس گھر کی مہکتی فضا سے نکل کر آیا تھا۔ اس کے بعد یہ منظر اس کی نفیس طبع پر اچھا خاصا تازیانہ ثابت ہوا۔

"یہ گھر ہے کہ کوڑا خانہ۔" اس کی ٹھوکر سے ٹوکری اچھلی اور دور تک لڑھکتی گئی۔ سارے صحن میں کچرا بکھرتا چلا گیا۔ کمرے سے نبیلہ اور ذکیہ بھی نکل

آئیں۔ اوپر سے نبیل نے بھی جھانکا۔

"دوسرے کے گھر جاؤ تو پھول پودے استقبال کرتے ہیں اور یہاں۔" یوں تاؤ کھاتا چیختا تیمور کا مزاج تو نہ تھا۔ ذکیہ حیرت سے بیٹے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"ہاں تو ملازمہ نہیں آئی۔ اب کوڑا پھینکنے میں باہر جاؤں۔" برداشت تو نبیلہ میں بھی ذرا نہ تھی۔ کبھی کبھی تو بھول ہی جاتی کہ شوہر سے بات کر رہی ہے۔

"تو اسے یوں فرنٹ پر رکھنا ضروری ہے۔"

"سارے میں گند ڈال دیا۔ اب اسے کون صاف کرے گا۔"

"میں کر دیتا ہوں۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا۔ "اللہ کسی کو ایسی پھوہڑ بیوی نہ دے۔"

"تو جاؤ۔ کوئی سگھڑ ڈھونڈ لاؤ۔"

"نبیلہ!" ذکیہ نے گھر کا۔ تیمور کھولتا ہوا کمرے میں گھس گیا۔

"بڑے آئے کہیں سے مجھے باتیں سنانے والے۔"

"جب پتا ہے کہ وہ اس وقت غصے میں ہے تو کیوں آگے سے زبان چلاتی ہو۔"

"آپ کو بھی سارے عیب مجھ ہی میں نظر آتے ہیں۔" نبیلہ نے غصے سے کہا۔ پھر ایک نظر صحن میں ڈالی۔ "مجھ سے نہیں ہوتا یہ سارا گند صاف۔"

اور پاؤں پٹختی دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

"اٹھ ذکیہ! اٹھا جھاڑو۔ اور لگا سارے صحن میں۔ یہی تیرا نصیب ہے۔" وہ اک آہ بھرتی گھٹنوں پر دباؤ ڈالتی کھڑی ہوئیں۔ تب ہی نبیل نیچے آیا۔

"امی! میں کر دیتا ہوں۔"

"ہک ہا۔ بچارے میرے بیٹے۔"

رات کو وہ تیمور کو سمجھانے لگیں کہ نبیلہ نے رات سے کھانا نہیں کھایا تھا۔

"کیوں اتنا غصہ کرتے ہو۔ تمہیں تو پتا ہے۔ وہ ماں بننے والی ہے۔ ایسی حالت میں...؟"

"امی! وہ کیا دنیا کی پہلی عورت ہے۔ اور بچہ کیا کہتا ہے گھر کے ہر کام سے ہاتھ کھینچ لو۔ باقی عورتیں کام نہیں کرتیں۔"

"تم بھی تو ہر بات میں دوسروں کی مثال لے آتے ہو۔ وہ چڑتی ہے۔"

"کبھی ان کے گھر جا کر تو دیکھیں۔ میرے دوستوں کی بیویوں سے ملیں تو پتا چلے کہ عورت کا سلیقہ گھر کا نقشہ بدل دیتا ہے۔" تیمور کے لہجے میں اضطراب سا اتر آیا۔

"اچھا جو بھی ہے۔ اب جاؤ اسے منالو۔"

"میں؟ خوامخواہ...؟" وہ بدکا۔

"تیمور! اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ خوامخواہ تمہاری اولاد کو نقصان ہو گا۔ اس حالت میں بیوی کا خیال رکھنا اسے پُرسکون رکھنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔ خوامخواہ ظالم مت بنو۔"

"اچھا! میں ظلم کر رہا ہوں؟"

"اب بس کرو اور جاؤ۔ ماں کی بات بھی نہ مانو گے؟" انہوں نے قدرے پیار سے کہا تو وہ مجبور سا ہو کر اٹھ گیا۔

"کسی دن آپ کو باسط کے گھر لے جاؤں گا۔ اس کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہسپتال رہ کر آئی ہیں۔ عیادت کر لیجیے گا۔"

"ہاں۔ ہاں۔ جب تم فارغ ہو۔"

اور اگلے اتوار جب تیمور گھر پر تھا۔ اس نے ماں سے کہا کہ وہ تیار ہو جائیں۔ انہیں باسط کے گھر جانا ہے۔



دو منزلہ سبز بیلوں سے ڈھکا خوبصورت گھر تھا۔ براؤن اسٹائلش سا گیٹ۔ جسے پار کرتے ہی اک چھوٹا سا قطعہ دائیں ہاتھ۔ بے شمار پھولوں سے بھرا۔ فضا میں لیموں کے درختوں کی مہک۔ کونے میں کیلے کا درخت۔ سامنے پورچ میں گاڑی کھڑی تھی۔

"باسط نے گھر نیا بنایا ہے۔" انہوں نے خوبصورت رہائشی دروازے کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں کچھ عرصہ قبل اپنے پرانے مکان میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔" تیمور نے مختصراً بتایا اور

دروازے پر دستک دی۔

"ہاں۔ جگہ تو زیادہ نہیں ہے۔ مگر گھر خوبصورت ہے۔"

"جی' کچھ پینٹ نیا ہے۔ کچھ اس کی بیوی بہت سلیقہ مند ہے۔" تیمور کا لہجہ سادہ ہی تھا۔ مگر انہیں طنز لگا۔ مگر خاموش رہیں۔ دروازہ اک چھوٹے لڑکے نے کھولا۔

سلام کر کے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے ذکیہ نے ڈرائنگ روم کے فرنیچر' دیواروں پر سجی سینریاں۔ اور کارنر میں بڑے سے واز اور فلاور ارینج منٹ کو بنظر غائر دیکھا۔

"بڑا قیمتی فرنیچر ہے۔ باسط کی بیوی جہیز میں لائی ہوگی۔"

تیمور نے اکتا کر ماں کو دیکھا۔ وہ صرف چیزوں کی قیمت دیکھ رہی تھیں اور تیمور جب بھی یہاں آتا۔ یہی دیکھتا کہ کہیں گرد کا ایک ذرہ۔ یا کوئی بھی فالتو چیز ڈرائنگ روم کی زینت نہیں بنی تھی۔ جبکہ ان کے ہاں آج بھی مہمان کو صوفے پر بٹھانے سے قبل صوفہ جھاڑنا پڑتا۔ بصورت دیگر مہمان اپنے کپڑے جھاڑ رہا ہوتا۔

"ناصر! مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں کیوں بٹھادیا۔ اماں کے کمرے میں لے جاؤ۔ میرے ہاتھ آٹے میں گھرے ہیں۔" اک مدھم سی آواز بہت دور سے سنائی دی تھی۔

"تھوڑی دیر میں لڑکا انہیں لے کر باسط کی امی کے پاس چلا گیا۔ وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی انہی کی منتظر تھیں۔ خوش دلی سے استقبال کیا۔ لڑکے ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ مگر ان دونوں کی ملاقات ایک دوبار ہی ہوئی تھی۔ اور گھر تو وہ آئی ہی پہلی بار تھیں۔ سائیڈ ٹیبل پر ان کی دوائیاں' پھلوں کی ٹوکری سب کچھ ترتیب میں اور اتنا قریب تھا کہ انہیں کسی کو پکارنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ انہیں اپنی میز اور اپنی پکاریں یاد آئیں تو سرد سی آہ بھر کر رہ گئیں۔

باسط کی امی اپنی بیماری کی تفصیل سنا رہی تھیں۔

تیمور نے خاموشی سے اخبار اٹھالیا۔ تھوڑی دیر میں ملازم لڑکا انہیں نازک کرسٹل کے گلاس تھما گیا۔ جس میں تازہ پھلوں کا رس تھا۔

"ماشاءاللہ' گھر تو بہت ہی اچھا بنالیا ہے۔"

"ہاں۔ میرے بیٹے اور بہو دونوں ہی کو گھر سجانے کا بہت شوق ہے۔ باسط نے تو سب جمع جتھا کلینک پر لگا دیا تھا۔ جو تھوڑا بہت پاس تھا۔ اس گھر پر لگا دیا۔ بہو کو بھی ساتھ لے آتیں؟"

جواب کے ساتھ ہی سوال داغا۔ وہ گڑبڑا گئیں کہ انہوں نے کہا تو تھا مگر نبیلہ نے تو جواب دینا گوارا ہی نہیں کیا۔ اور چائے کا کپ اٹھا کر باہر نکل گئی۔ جب سے وہ امید سے ہوئی تھی نخرے کچھ اور بڑھ گئے تھے۔

"اس کی طبیعت ہی کچھ ٹھیک نہ تھی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"اچھا۔ اچھا کوئی خوش خبری ہے؟ میری بہو کے ہاں بھی ہے۔" باسط کی امی خوش ہو کر بولیں۔

"پھر بھی سارے کام کرتی ہے؟" بے ساختہ ذکیہ کے منہ سے پھسلا۔ تیمور نے اخبار سے نظریں ہٹا کر ایک نظر ماں کو دیکھا۔

"ہاں ہاں' بڑی ہی نیک طبیعت کی بچی ہے۔ سارا گھر اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ گاؤں سے بیاہ کر لائی ہوں۔ سچی بات ہے میں تو اس رشتے پر راضی ہی نہ تھی۔ سوچا تھا ڈاکٹر بیٹے کے لیے ڈاکٹر بیوی لاؤں گی۔ مگر باسط نہیں مانا۔ کہنے لگا۔

"وہ سارا دن ہسپتال میں ہوگی تو آپ کیا کریں گی۔ مجھے تو ایسی بیوی چاہیے جو آپ کی دیکھ بھال کرے اور میرے مسائل سمجھے۔ دو بیٹیوں کی شادی پچھلے ماہ کی ہے۔ چھوٹی والی ڈاکٹر بن رہی ہے۔ بھابھی' بھابھی کرتی ہے ہم نے بھی سارا گھر اس کے حوالے کر دیا۔ سیاہ کرے یا سفید۔ بٹی بنایا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔ اپنی بٹی کو سخت' سست کہہ لوں گی۔ اسے کبھی سخت لفظ نہیں کہا۔ اور اسے بھی مان بڑھانا آتا ہے۔ روز رات کو دوا کھلائے گی۔ باتیں کرے گی۔ سر دبائے گی۔"

ذکیہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگیں۔

تیمور کے لبوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ بکھری۔

"بیٹیوں کی شادی کہاں کی ہے؟" انہوں نے موضوع بدلنے کی سعی کی۔ وہ فوراً "بیٹیوں کے سسرال کا حدود اربعہ بتانے لگیں۔ ذکیہ نے رشک سے اس بے فکر بڑھیا کو دیکھا اور آہ بھر کر سوچا۔

"ہائے لوگوں کے نصیب۔ ایک ہمیں ملی ہیں۔ ہک ہا۔"

ملازم لڑکا چائے لے آیا۔ شامی کباب، چکن رول، بسکٹ، ساتھ میں دو طرح کی چٹنیاں جن کے بارے میں ساس صاحبہ نے بتایا کہ گھر میں بنائی ہیں۔ بہو بے جا اسراف پسند نہیں کرتی۔ ذکیہ چڑ سی گئیں۔ بہو تھی یا افلاطون۔ ہر فن مولا۔

تب ہی ہوا کے جھونکے کی طرح وہ اندر چلی آئی۔ سیاہ مقیش لگی چادر میں خود کو چھپائے۔

"السلام علیکم۔"

تیمور نے سر ہلا کر جواب دیا۔ اور ذکیہ.... ان کے منہ میں کباب رکھے کا رکھا رہ گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"رانیہ...." بمشکل کباب نگلا۔

"جی' آپ تو میری شادی میں نہیں آئیں۔ سب لوگ انتظار کرتے رہے۔"

"ہاں۔ وہ میں...." انہوں نے گڑبڑا کر تیمور کو دیکھا۔ اس نے کبھی بتایا ہی نہیں رانیہ کی شادی باسط سے...

"کھانا باسط کے گھر سے کھا آیا ہوں۔"

"جی۔ کھانا ایسا بناتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور کے ہاتھ کا اچھا ہی نہیں لگتا۔"

"جادو نہیں۔ وہ اپنے شوہر اور گھر کے لیے' دل سے کام کرتی ہے۔"

"ایک باسط کا گھر ہے ہر وقت آئینے کی طرح چمکتا ہوا۔ اور ایک یہ کباڑ خانہ...؟"

بہت جلد کی کہی باتیں وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

"میں نے تو بہت دفعہ تیمور بھائی سے کہا آپ کو لے کر آئیں۔ مگر یہ سنتے ہی نہیں باسط سے کہا۔ پچی سے ملوا لائیں۔ مگر وہ مصروف ہی بہت ہوتے ہیں۔ دعوت کرنا چاہی تب بھی تیمور بھائی نہیں مانے۔"

وہ باتیں ان سے کر رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ اپنی ساس کو کباب کھلا رہی تھی۔ وہ نخرے کر رہی تھیں یہ اصرار...

"ڈاکٹر صاحب نے کسی قسم کا پرہیز نہیں بتایا۔ کہہ رہے تھے۔ سب کچھ کھلاؤ۔ تب ہی جسم میں طاقت آئے گی۔ نبیلہ کو کیوں نہیں لائے؟"

ذکیہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کتنا بدل گئی تھی۔

پہلے سے زیادہ خوبصورت' پہلے سے زیادہ پُراعتماد۔ پہلے سے زیادہ سلیقہ مند۔

انہوں نے سر جھکا لیا۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے۔ مگر سامنے والا جوہری نہ ہو یا جوہری کی نگاہ نہ رکھتا ہو۔ تو ہیرے کو معمولی سا موتی سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔

کبھی کبھی تقدیر ہمیں مٹی کے پیالے میں امرت پیش کرتی ہے۔ مگر ہم مٹی کے پیالے کو حقارت سے دیکھتے ہوئے ٹھکرا دیتے ہیں۔

قصور کس کا ہے؟

تقدیر کا یا ہماری کم نگاہی کا؟

☆